خطباتِ فقیر

اللہ جل جلالہ

جلد سینتیس

- تعمیرِ انسانیت (سیرت مبارکہ کی روشنی میں)
- اخلاص کی حقیقت
- ریاء کی حقیقت
- تصوف وسلوک کا مقصد
- فراست مومنانہ
- جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں
- نعمتوں کا شکرادا کریں

پیر طریقت، رہبر شریعت، مفکر اسلام

محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا

پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

مکتبۃ الفقیر

خطباتِ فقیر 37 پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات

عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات

عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات
212	...... حضرت بابو جی عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی فراست
214	...... نورِ باطن کو حاصل کرنے کی ضرورت
217	⑥ جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں
219	...... دنیا فانی ہے
220	...... دنیا ایک دن کی ہے
220	...... دنیا، مومن کے لیے قید خانہ
221	...... انسان، دنیا کے دھوکے میں گرفتار
222	...... موت کے لیے کون تیار؟
223	...... نماز کی پابندی کی برکت
225	...... موت اٹل ہے
226	...... دنیا ایک لمحے کی ہے
226	...... ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی حکیمانہ نصیحت
229	...... مقصدِ زندگی اللہ کی بندگی
229	...... نعمتوں کے چھن جانے کا نام موت ہے
231	...... نعمتوں کے غلط استعمال کی سزا......جہنم
233	...... نعمت کے صحیح استعمال کا انعام......جنت
235	...... آج وقت ہے
236	...... نعمتوں کا صحیح استعمال، نعمتوں کے اضافے کا ذریعہ ہے
237	...... دل آنسوؤں سے دھلتا ہے
238	...... عیب گوئی اور طعنہ زنی کا انجام

{لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ}

(سورۃ الاحزاب:۲۱)

تعمیرِ انسانیت

(سیرتِ مبارکہ کی روشنی میں)

بیان: محبوب العلماء والصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 5 فروری 2012ء بروز اتوار ۱۲ ربیع الاوّل، ۱۴۳۲ھ

موقع: بیان بعد نمازِ مغرب، بیانِ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مقام: جامع مسجد اللہ اکبر، ڈیفنس سوسائٹی، لاہور

اقتباس

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس روحانی اور اخلاقی تبدیلی کے لیے سختی کا راستہ نہیں اپنایا۔ محبت و الفت کا راستہ اپنایا......
نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے دلوں میں اللہ کی محبت بھی پیدا کی اور اللہ کے بندوں کی محبت بھی پیدا کی ۔ یہ محبت ہی تھی جس نے ان کی زندگیوں کو بدل کر رکھ دیا اور ان کو صحیح معنوں میں انسان بنا دیا۔ عقل حیران ہے کہ ۲۳ سال کے قلیل عرصے میں ان کو ایسا شیر وشکر بنا دیا کہ جس کی مثال نہیں ملتی ۔ رب کریم نے جو دلوں کے بھید جاننے والے ہیں ان کے بارے میں قرآن میں گواہی دی کہ

{رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ}

''وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بہت رحیم و کریم تھے۔''

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

تعمیرِ انسانیت (سیرتِ مبارکہ کی روشنی میں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

{لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ} (الاحزاب)

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

((بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ)) (المستدرک علی الصحیحین، رقم: 4221)

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

((اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا)) (سنن ابن ماجہ، رقم: ۲۲۵)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

دنیا کا ناپائیدار نظامِ حکومت:

تاریخِ انسانیت پر نظر دوڑائی جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ دنیا میں بڑے بڑے حکمران فاتح اور بادشاہ آئے جو قوموں کے جان و مال پر قابض ہوئے۔

......ایک ملک کو اجاڑا، دوسرے کو بسایا،

......ایک کو گھٹایا، دوسرے کو بڑھایا،

......ایک سے چھینا دوسرے کو دیا۔

ان کی تلواروں نے بڑے بڑے مجرموں کو روپوش ہونے پر مجبور تو کر دیا مگر وہ تنہائیوں کے روپوش مجرموں کو جرائم سے نہ روک سکے۔ انہوں نے گلی کوچوں میں تو امن قائم کر کے دکھا دیا مگر من کی دنیا میں امن قائم نہ کر سکے۔ بلکہ ہر قسم کی روحانی بربادی انہیں کے درباروں سے پھیلی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے وضع کردہ قوانین کی عمر لمبی نہ رہی۔ بلکہ ان کے اپنے شاگردوں اور پیروکاروں نے ان کے قوانین کو بدل ڈالا۔

انبیائے کرام علیہم السلام...... انسانیت کے نجات دہندہ:

اگر دنیا میں خیر اور بھلائی پھیلی تو صرف ان ہستیوں سے پھیلی جن کو انبیائے کرام علیہم الصلوات وتسلیمات کہا جاتا ہے۔ یہ بات بھی اظہر من الشّمس ہے کہ قومیں جب بھی مشکلات میں پھنسیں تو انبیائے کرام علیہم السلام نے ہی آ کر انہیں نکالا۔ اس سلسلے میں دو مثالیں سامنے رکھیے۔

(۱) بنی اسرائیل کی مثال:

بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے ظلم وستم سے نجات دلائی۔ حتیٰ کہ ان کو حکومت بھی مل گئی۔ لیکن بنی اسرئیل نے اللہ کے حکموں کی ناقدری کی اور بدعملی کی زندگی اختیار کی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بخت نصر نے ان کے ملک پر حملہ کیا اور ان کو پھر ذلیل وخوار کر کے نکال دیا۔ اب حضرت دانیال علیہ السلام ان کے نجات دہندہ بن کر تشریف لائے اور انہوں نے پھر ان کو اس کے ظلم وستم سے نجات عطا فرمائی۔

(۲) اہلِ عرب کی مثال:

دوسری مثال اہلِ عرب کی ہے۔ نبی علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے مکہ مکرمہ

کے مشرکین جہالت کی زندگی گزار رہے تھے۔ قتل و غارت، ظلم و ستم، جنگ و جدل اور لوٹ ماران کا شیوہ تھا۔ بے حسی کی انتہا دیکھیے کہ دوستوں کی محفل میں گوشت کھلانے کے لیے زندہ جانور سے گوشت کاٹ کر پکا لیا کرتے تھے۔ ان کو اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ زندہ جانور کے ساتھ کیا بیت رہی ہے۔ معمولی بات پر جولڑائی شروع ہوتی تھی تو وہ سینکڑوں انسانوں کے مرنے کا سبب بن جاتی تھی۔ ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' والا قانون تھا۔ قیصر و کسریٰ ان پر حکومت کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ باپ کے مرنے کے بعد ماں کو بھی میراث کے مال کی طرح تقسیم کر دینا ان کی عادت تھی۔ بیوہ کو ذلت و رسوائی کا طوق ڈالنا اور بیٹیوں کو زندہ در گور کرنا، یہ ان کے لیے عام سی بات تھی۔ چنانچہ مشہور رائٹر گبن لکھتا ہے:

At that time, Arabia was the most degraded nation of the world.

''اس وقت عرب لوگ دنیا کی پسماندہ ترین قوم تھے۔''

یہ وہ ان پڑھ قسم کے لوگ تھے، Wild Life (جنگلی زندگی) گزارنے والے لوگ تھے جن میں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دین سکھایا اور ان جانور نما انسانوں کو صحیح معنوں میں انسان بنایا۔

ایک حیرت انگیز انقلاب:

ایک نکتہ دلچسپ اور قابلِ توجہ ہے کہ یہ لوگ اتنے جاہل تھے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگی میں ان میں سے کوئی آدمی بیرون ملک اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے نہیں گیا۔ سب کے سب صحابہ پوری زندگی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہی رہے ہیں۔ آج تو

باہر پی ایچ ڈی کرنے کے لیے لوگ چلے جاتے ہیں، لیکن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی علم حاصل کرنے کے لیے باہر نہیں گیا۔ صرف ایک مثال ملتی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب خطوط لکھنے تھے تو وہ عبرانی اور سریانی زبان میں لکھے جاتے تھے۔ تو اس وقت یہود سے Help (مدد) لی جاتی تھی۔ لیکن خدشہ یہ تھا کہ معلوم نہیں وہ آگے کیا لکھ دیں۔ چنانچہ ایک صحابی نے کہا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں زبان سیکھ کر آتا ہوں۔ وہ ایک مہینہ کے لیے گئے اور زبان سیکھ کر آ گئے۔ اس کے علاوہ کوئی مثال نہیں ملتی کہ کسی صحابی نے کہیں باہر سے جا کر تعلیم حاصل کی ہو۔

ان لوگوں کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علم کے ہیرے اور موتی عطا کیے، وحی کی بارش ہوئی، اور پھر ایسی بہار کا موسم کھلا کہ پوری دنیا نے اس کو دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم پا کر صحابی رضی اللہ عنہم اخلاق کی اعلیٰ قدروں تک پہنچ گئے۔

...... جو جاہل تھے وہ عالم بنے۔

...... جو ظالم تھے وہ عادل بنے۔

...... جو غاصب تھے وہ امین بنے۔

...... جو عزتوں کے لٹیرے تھے وہ عزتوں کے محافظ بنے۔

...... جو ننگِ انسانیت تھے وہ فخرِ انسانیت بن گئے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو ایسے مکارمِ اخلاق کی تعلیم دی کہ وہ پورا معاشرہ ایک مثالی معاشرہ بن گیا۔ ان کے اندر اللہ رب العزت نے اخوت، الفت، ہمدری، ایثار، تواضع، سینہ بے کینہ اور پرسوز دل جیسی نعمتیں عطا فرما دیں۔ چنانچہ ان میں سے ہر ہر بندہ ''خلیفۃ اللہ فی الارض'' بننے کی اہلیت پا گیا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انقلابی پالیسی......محبت اور نرمی:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس روحانی اور اخلاقی تبدیلی کے لیے سختی کا راستہ نہیں اپنایا۔ محبت والفت کا راستہ اپنایا۔ چنانچہ ایک حدیث مبارکہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نرمی پر وہ رحمتیں نازل فرماتا ہے جو سختی کے اوپر نازل نہیں فرماتا۔ (مسند احمد، رقم:۱۶۸۰۲) محبت کا راستہ سب سے زیادہ قوت والا راستہ ہوتا ہے۔

کہتے ہیں:

Love is the greatest power in the world.

''دنیا کی سب سے بڑی طاقت محبت ہے''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے دلوں میں اللہ کی محبت بھی پیدا کی اور اللہ کے بندوں کی محبت بھی پیدا کی۔ یہ محبت ہی تھی جس نے ان کی زندگیوں کو بدل کر رکھ دیا اور ان کو صحیح معنوں میں انسان بنا دیا۔ عقل حیران ہے کہ ۲۳ سال کے قلیل عرصے میں ان کو ایسا شیر وشکر بنا دیا کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ رب کریم نے جو دلوں کے بھید جاننے والے ہیں ان کے بارے میں قرآن میں گواہی دی کہ

﴿رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح:۲۹)

''وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بہت رحیم وکریم تھے۔''

اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ حمیدہ کا ایک جائزہ:

آیئے! ان صفاتِ حمیدہ کا جائزہ لیں کہ جن کی وجہ سے وہ ان اخلاقی بلندیوں تک پہنچے۔ ان میں سے کچھ صفات انفرادی تھیں اور کچھ اجتماعی۔ اب ہم ذرا ان کی ان Qualities (خوبیوں) کی Scaning (مشاہدہ) کریں گے۔

انفرادی صفات

① طلبِ علم:

سب سے پہلے طلبِ علم کی صفت ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر ہر بندے کو علم کا طالب بنا دیا تھا۔ فرمایا:

((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ)) (سنن ابن ماجہ، رقم: ۲۲۰)

''علم کا طلب کرنا ہر مسلمان (مرد اور عورت) پر لازم ہے''

((اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ)) (تفسیر روح البیان، سورۃ الکہف)

''تم پنگھوڑے سے لے کر قبر میں جانے تک علم کو حاصل کرو''

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، فرمایا:

((اَلْعِلْمُ نُوْرٌ)) (الموطا، رقم: ۲۴) ''علم روشنی ہے''

علم روشنی ہے اور جہالت اندھیرا ہے۔

آج آپ جانتے ہیں کہ جو قوم علم میں آگے بڑھ جاتی ہے وہ پوری دنیا میں غالب آجاتی ہے۔

② بامقصد زندگی:

نبی علیہ السلام نے ان کو بامقصد زندگی گزارنے کی تعلیم دی۔ اس کو کہتے ہیں Goal Oriented Life (بامقصد زندگی) یعنی زندگی کا ایک مقصد ہو جسے انسان حاصل کرے۔ فرمایا:

﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا﴾ (المومنون: ۱۱۰)

''کیا تم گمان کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا''

③ صدق وصفا:

نبی علیہ السلام نے ان کے اندر صداقت کے بیج بوئے۔ ان کو فرمایا کہ اللہ سے ڈرو۔

((خَشْيَةِ اللّٰهِ فِي السِّرِّ وَ الْعَلَانِيَةِ)) (کنز العمال، رقم:۴۴۲۷۳)

خلوتوں میں بھی اور جلوتوں میں بھی اللہ کے ڈر کی وجہ سے گناہوں کو چھوڑ دو۔

④ نیکوکاری:

پھر نبی علیہ السلام نے ان کو نیکوکاری سکھائی اور بتلا دیا:

﴿وَ اَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (البقرۃ:۱۹۵)

''نیکی کرو، اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں''

⑤ تواضع:

نبی علیہ السلام نے ان کے اندر سے غرور اور تکبر کو ختم کیا اور ان کے اندر تواضع پیدا کی۔ بتلایا:

((مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ)) (کنز العمال، رقم:۸۵۰۸)

''جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے، اسے اللہ بلندیاں عطا فرماتا ہے''

⑥ تحمل مزاجی:

پھر نبی علیہ السلام نے ان کے اندر تحمل مزاجی (Fore bearance) پیدا کی۔ گویا یہ سمجھا دیا کہ انسان معمولی باتوں پر Instantanious react نہ کرے، بھڑک نہ اٹھے بلکہ باہمت بنے، ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچے۔ اور پھر مناسب قدم

اٹھائے۔

یہ تحمل مزاجی بہت بڑی نعمت ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں دس سال رہے اور خدمت کرتے رہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دس سال میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی مجھے مارا، نہ کبھی ڈانٹا اور نہ کبھی نبی علیہ السلام نے بولنا چھوڑا۔ حیرت کی بات ہے کہ ایک بچے کی تربیت ہوئی اور زندگی میں کبھی مار کا موقع ہی نہیں آیا۔ آج ہمیں دیواروں پر لکھ کر لگانا پڑتا ہے'' مار نہیں پیار ''۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے Practically (عملاً) کر کے دکھا دیا کہ بچوں کی تربیت ایسے بھی ہوتی ہے۔ پیار کے ذریعے، محبت کی وجہ سے تم جو چاہو گے تمہارے بچے ویسے ہی بنتے چلے جائیں گے۔

⑦ مٹھاس:

پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے اندر ایک دوسرے کے ساتھ محبت و پیار رکھنے کی عادت ڈالی۔ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو فرمایا: میں تمہارے اندر ایمان تو دیکھتا ہوں، مگر ایمان کی حلاوت نہیں دیکھتا۔ اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! وہ ایمان کی حلاوت کیا ہوتی ہے؟ فرمایا: ایک دوسرے کے ساتھ الفت، محبت اور پیار کے ساتھ پیش آنا۔ گویا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتلا دیا کہ مومن رف اور ٹف نہیں ہوتا بلکہ

((اَلْمُؤْمِنُ حُلْوٌ)) (کنز العمال، رقم: ۱۶۱۲)

''مومن کے اندر مٹھاس ہوتی ہے۔''

وہ بات کرتا ہے تو بات کے اندر شیرینی ہوتی ہے۔ وہ کوئی کام کرتا ہے تو وہ دوسروں کے لیے سکونِ قلب کا سبب بنتا ہے۔ تو مومن ایک Sophisticated طبیعت رکھنے والا انسان ہوتا ہے۔ جو اللہ کے بندوں کے لیے باعثِ رحمت بن جاتا

ہے۔فرمایا:

((اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمُکُمْ مَّنْ فِی السَّمَاءِ))

(سنن الترمذی، رقم:۱۸۴۷)

''کہ تم زمین والوں پر رحم کرو گے تو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا''

⑧ اخلاص:

پھر اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اخلاص کی تعلیم دی کہ ہم دنیا میں جو بھی کوئی کام کریں کسی دنیاوی منفعت یا ذاتی غرض کی وجہ سے نہیں بلکہ خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے کریں۔ یہ اسلام کی ایک ایسی بنیادی تعلیم ہے جس نے ایک مومن کی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ چنانچہ آپ کی اسی تعلیم کی برکت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اخلاص کے ایسے پیکر بنے کہ ان کی زندگیاں آنے والی انسانیت کے لیے روشن نمونہ بن گئیں۔

اجتماعی صفات

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے اندر ایسی اجتماعی صفات بھی پیدا کیں، جن سے ان کا معاشرہ ایک پرسکون اور مثالی معاشرہ بن گیا۔

(1) مساوات:

مثال کے طور پر: صحابہ کرام کو سمجھایا:

''نہ گورے کو کالے پر فضیلت ہے، نہ عربی کو عجمی پر فضیلت ہے''

(مسند احمد، رقم:۲۳۴۸۹)

آج اس Scientific Word (سائنسی دنیا) میں، دنیا مساوات کی اس تعلیم

کو بڑا عظیم اصول سمجھتی ہے۔ جبکہ نبی علیہ السلام چودہ سو سال پہلے اس اصول کو بتا دیا تھا۔

(2) انصاف:

پھر نبی علیہ السلام نے معاشرے کی بنیاد انصاف پر رکھی۔ بتا دیا:

﴿وَ اَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (الحجرات:۹)

''انصاف کرو اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں''

بتایا کہ

''کفر سے حکومت چل سکتی ہے مگر ظلم سے حکومت کبھی نہیں چل سکتی''

اگر تم چاہتے ہو کہ دنیا میں پرسکون زندگی گزارو تو انصاف کرنا پڑے گا۔ انصاف ایسا کہ جو نظر بھی آئے کہ انصاف ہو رہا ہے۔

(3) عفو و درگزر:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عفو و درگزر کی تعلیم دی۔ ایک خوبصورت بات کہی، فرمایا:

((صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَ اعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ))

(شعب الایمان، رقم:۷۵۸۵)

''جو تجھ سے توڑے تو اس سے جوڑ۔ جو تجھ پر ظلم کرے تو اسے معاف کر دے''

اور فرمایا:

((وَ اَحْسِنْ اِلٰى مَنْ اَسَاءَ اِلَيْكَ)) (کنز العمال، رقم:۸۵۰۸)

''اور جو تجھ سے برا کرے تو اس سے اچھا سلوک کر لے۔''

یہ نبی علیہ السلام کا حکم ہے۔ امر کے صیغے ہیں۔ گویا مومن کی تعریف بیان کی کہ وہ کیسے ہوا کرتا ہے؟

(4) ایثار:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو ایثار کی تعلیم دی کہ دوسروں کو اپنے پر فوقیت دو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ دوسرے بھائی کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے تھے۔ معاملہ یہاں تک پہنچا کہ جنگِ یرموک میں ایک سپاہی بڑا زخمی ہو چکا تھا۔ ڈی ہائیڈریشن ہو چکی۔ بلیڈنگ کی وجہ سے کمزوری ہو چکی۔ اور سخت گرمی کا موسم ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے: اَلْعَطَشْ ''پیاس''۔ ان کے چچا زاد بھائی ان کو پانی پلانے کے لیے مشک لے کر آئے۔ مگر جب پانی پلانے لگے تو کسی اور زخمی نے یہی بات کی اَلْعَطَشْ۔ تو انہوں نے منہ کو بند کر لیا اور اشارہ کیا کہ دوسرے کو پہلے پانی پلاؤ۔ وہ پانی لے کر دوسرے کی طرف گئے۔ اس وقت تیسرے کی طرف سے آواز آئی اَلْعَطَشْ۔ دوسرے نے بھی منہ بند کر لیا اور کہا کہ اُدھر جاؤ۔ جب یہ تیسرے کے پاس پہنچے تو وہ شہید ہو چکے تھے۔ یہ لوٹ کر دوسرے کی طرف آئے تو وہ بھی اللہ کو پیارے ہو چکے تھے اور جب پہلے کی طرف آئے تو وہ بھی اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ آخری لمحے میں بھی وہ اپنے بھائیوں کو اپنے اوپر ترجیح دینے والے بن گئے تھے۔

(5) اخوت:

پھر نبی علیہ السلام نے ان کے اندر اُخوت کو پیدا کیا۔ فرمایا: تم تجسس نہ کرو۔ کسی کے عیبوں کو ڈھونڈنے میں نہ لگو۔

((وَلَا تَحَسَّسُوْا وَ لَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا))

''ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہو، ایک دوسرے کی جاسوسی مت کرو، آپس میں بغض نہ رکھو اور نہ ہی آپس میں اختلاف رکھو''

اور آخر میں فرمایا:

((وَ كُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا)) (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۶۲۲۹)

''اللہ کے بندو! تم بھائی بھائی بن کر زندگی گزارو۔''

جب مہاجرین مدینہ تشریف لائے تو نبی علیہ السلام نے ان کی مواخات کروائی۔ تاریخ انسانیت میں انسانی بھائی چارے کی ایسی مثال اور کوئی پیش نہیں کر سکتا کہ کس طرح انہوں نے بھائی بھائی بن کر ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزاری۔

(6) ستر پوشی:

نبی علیہ السلام نے ان کو ستر پوشی کی تعلیم دی کہ تم اگر اپنے کسی بھائی کا عیب دیکھو تو اس کی ستر پوشی کرو اور اصلاح کی کوشش بھی کرتے رہو۔ فرمایا:

((مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) (صحیح البخاری، رقم: ۲۲۶۲)

''جو اپنے مومن بھائی کے (عیبوں) کی ستر پوشی کرے گا اللہ قیامت کے دن اس (کے عیبوں) کی ستر پوشی کرے گا۔''

(7) برائی کا خاتمہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو سمجھایا کہ دیکھو، برائی ناپسندیدہ چیز ہوتی ہے، اس کو ابتدا سے ختم کریں۔ اس کو کہتے ہیں:

Nip the evil in the bud. ''برائی کو ابتدا سے ختم کرو۔''

یہ بھی فرمایا کہ اگر تم برائی کو دیکھو تو اگر ممکن ہو تو ہاتھ سے اسے روکو اگر ممکن نہ ہو تو زبان سے اظہارِ خیال کر دو، اور اگر یہ بھی ممکن نہیں تو کم از کم دل میں ہی اسے برا سمجھو۔

(8) ازدواجی زندگی:

پھر ازدواجی زندگی بہت محبت و پیار سے گزارنے کی تعلیم دی۔ کیونکہ ایک فیملی یونٹ پہلی معاشرتی اکائی ہوتا ہے۔ لہٰذا خوشگوار ازدواجی زندگی خوشگوار معاشرے کی بنیاد بنتی ہے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے اچھی ازدواجی زندگی گزارنے کی تعلیم دی۔ فرمایا:

((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ)) (سنن الترمذی، رقم: ۳۸۳۰)

''تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہلِ خانہ کے لیے سب سے بہتر ہے''

(9) نفع رسانی:

پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک بات فرمائی:

((خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَّنْفَعُ النَّاسَ)) (کنز العمال، رقم: ۴۴۱۵۴)

''انسانوں میں سے سب سے زیادہ بہتر انسان وہ ہے جو دوسرے انسانوں کے لیے فائدہ پہنچانے کا سبب ہو''

ذرا غور کیجیے! آج اس کسوٹی پر ہم اپنے آپ کو تولیں تو ہم کہاں جاتے ہیں؟

(10) خدمتِ خلق:

پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((وَ اللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ اَخِيْهِ))

(شعب الایمان للبیہقی، رقم: ۱۶۹۵)

''اللہ بندے کی مدد میں اس وقت تک رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کے کاموں میں اس کی مدد کر رہا ہوتا ہے۔''

کیا خوبصورت Concept (تصور) دیا ہے کہ اگر ہم اپنے بھائی کے کام

آئیں گے، اس کی تکلیف کے دور کرنے میں، اس کی مصیبت کے دور کرنے میں، اس کی پریشانی بانٹنے میں لگیں گے تو اتنی دیر اللہ ہماری مدد کرے گا۔

(11) محاسبہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعلیم دی کہ:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ)) (الادب المفرد:۸۳)

''تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا''

لہٰذا انسان اپنا محاسبہ کرتا رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا:

حَاسِبُوْا اَنْفُسَكُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا (کنز العمال:۴۴۲۰۳)

''اپنا محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے''

لہٰذا انسان اگر اپنے اعمال کا جائزہ لیتا رہے کہ مجھ سے حقوق کی ادائیگی میں کہاں کہاں کوتاہیاں ہو رہی ہیں تو وہ بہت سی خرابیوں سے اپنے آپ کو بچا لیتا ہے۔ اور اللہ اور مخلوق کی نظروں میں مقبول بن جاتا ہے۔

(12) اخلاقِ حمیدہ:

نبی علیہ السلام نے ان کو اخلاقِ حمیدہ کی تعلیم دی۔ فرمایا:

((تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ))

(ارشاد الساری، فی باب قول اللہ تعالیٰ واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا۔ احیاء علوم الدین:۴/۳۰۶)

انسانیت کی عظمت یہ ہے کہ وہ اپنے اندر اللہ رب العزت کے اخلاق پیدا کرے۔ اور واقعی! نبی علیہ السلام نے ایسی محنت فرمائی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اندر یہ ساری صفات پیدا ہو گئی تھیں۔

تعمیرِ انسانیت......فکری تبدیلی کا ایک واقعہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کی اخلاقی قدروں میں کس طرح تبدیلی پیدا فرمائی اس کا اندازہ لگانے کے لیے ایک واقعہ سن لیجیے:

نبی علیہ السلام تشریف فرما ہیں۔ایک صحابی ایک چھوٹی سی معصوم بچی کو اٹھائے ہوئے نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، زار و قطار رو رہے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کہنے لگے: اے اللہ کے حبیب! مجھے اپنا ماضی یاد آ رہا ہے۔پوچھا: کیا ہوا؟ کہنے لگے:

میں اسلام لانے سے پہلے اتنا سنگدل انسان تھا کہ اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتا تھا۔ایک مرتبہ میں سفر پر تھا میرے ہاں بیٹی ہوئی، میری بیوی نے اس بیٹی کو اپنی بہن کے گھر بھجوا دیا۔ میں سفر سے لوٹا اور میں نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ وہ کہنے لگی: بیٹی ہوئی تھی دفن کر دی۔ میں نے کہا: قصہ ختم ہوا۔

وہ بیٹی میری سالی کے ہاں پلتی رہی۔حتی کہ لڑکپن کی عمر کو پہنچ گئی۔ میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگ گئی۔ وہ کبھی کبھی اس کے ساتھ میرے گھر بھی آتی رہی، میں اسے اپنی سالی کی بیٹی سمجھتا، میں بھی اس کی باتیں سنتا، مجھے اچھی لگتیں۔ وہ بچی کبھی میری گود میں آ جاتی میں اظہارِ محبت بھی کر دیتا۔حتی کہ اس بچی سے میں محبت کرنے لگ گیا۔ جب میری بیوی نے دیکھا کہ اب میں اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہوں اور اسے بہت محبت دے رہا ہوں۔تب اس نے یہ راز کھولا کہ یہ تو ہماری بیٹی ہے۔ کہتے ہیں: میں نے یہ سنا تو میرے دل کی کیفیت بدل گئی لیکن میں نے بیوی کو اظہار نہیں کیا۔

دو چار دن گزرے۔ایک دن میں نے اپنی بیوی کو کہا: کتنا اچھا ہوا اگر میں اس کو

اپنے ساتھ بازار لے جاؤں۔اس نے کہا: لے جائیں۔میں نے اس چھوٹی سی پھول جیسی بیٹی کو اٹھایا اور میرے اندر کا حیوان اس وقت پوری طرح تیار تھا کہ میں اس بچی کو زندہ دفن کردوں۔ میں ویرانے میں گیا اور میں نے گڑھا کھودنا شروع کر دیا۔ جب میں گڑھا کھودرہا تھا تو مٹی میرے کپڑوں پر پڑ رہی تھی اور وہ چھوٹی بچی میرے کپڑوں کو جھاڑ رہی تھی اور کہہ رہی تھی: ابو! آپ کے کپڑے میلے ہور ہے ہیں۔آپ کے کپڑوں پر مٹی پڑ رہی ہے۔میرے دل میں اس کا احساس نہیں تھا۔جب میں نے گڑھا کھودلیا تو میں نے اس بچی کو پکڑ کر گڑھے میں پھینکا اور اس پر مٹی ڈالنی شروع کر دی۔معصوم بچی رونے لگ گئی۔ کہنے لگی: میرے سر پر مٹی پڑ رہی ہے، میرے آنکھوں میں مٹی پڑ رہی ہے، ایسا نہ کریں مجھے کیوں مٹی میں ڈال رہے ہیں؟ میں نے اس کی کوئی بات نہیں سنی۔اے اللہ کے حبیب! میں مٹی ڈالتا رہا، ڈالتا رہا، حتی کہ اس کی آواز آنی بند ہوگئی۔میں نے اپنی بیٹی کو اپنے ہاتھوں سے زندہ دفن کیا۔میں ایسا انسان تھا، آپ تشریف لائے، آپ کی وجہ سے ہم نے کلمہ پڑھا، آپ نے ہمیں اخلاقِ عظیمہ سکھائے اور ایسی محبتیں سکھائیں۔اے اللہ کے حبیب! یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے، یہ مجھے اتنی پیاری لگتی ہے کہ میں اسے سینے سے لگا رہا ہوں۔

یہ تعمیرِ انسانیت ہے کہ وہ لوگ جو اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے اب ان کو دوسرے کے بچے کے ساتھ بھی ایسی محبت اور ایسی الفت ہوگئی۔

سرزمینِ عرب......ہیروز کی نرسری:

جس طرح درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔اسی طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت آپ کے شاگردوں سے پہچانی جاتی ہے۔چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ایسی پاکیزہ

اور مقدس جماعت چشمِ فلک نے کبھی نہیں دیکھی۔ غیروں کو بھی یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر چارہ نہ رہا۔ چنانچہ ایک مغربی مؤرخ لکھتا ہے:

After the the death of MUHAMMAD ﷺ Arabia became the nursery of heroes.

''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پردہ فرمانے کے بعد عرب کی زمین ہیروز کی نرسری بن گئی''

جیسے پھولوں کی نرسری ہوتی ہے، اس میں لاکھوں پھول ہوتے ہیں۔ ایسے ہی عرب کی زمین ہیروز کی نرسری بن گئی۔ کہ جو شخصیت اٹھی وہ وقت کی ایک قائد شخصیت بن گئی۔ اب اگر غیر بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں تو واقعی! یہ بات کتنی عظیم ہے کہ اللہ کے حبیب ﷺ نے ان کو ایسی قائدانہ صلاحیتیں عطا فرمادیں۔

اسلامی لیڈر شپ کی کیس سٹڈی:

ہم لوگ آج کی Most modern World (جدید دنیا) میں زندگی گزار رہے ہیں۔ آج یونیورسٹیوں کے اندر Management (نظم و نسق) کا مضمون پڑھایا جاتا ہے جس میں لیڈر شپ کے بارے میں تفاصیل پڑھائی جاتی ہیں۔ ذرا دیکھیے کہ چودہ سو سال پہلے محبوبِ رب العالمین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے صحابہ کے اندر کیسی قائدانہ صلاحیتوں کو پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ یہ ایک Case Study ہے۔ جیسے یونیورسٹیوں میں کچھ سمجھانے کے لیے اس کی عملی مثالیں دکھاتے ہیں جسے Case Study کہتے ہیں کہ ذرا ان مثالوں کو دیکھو۔ بھئی! اللہ نے جو ٹریلین آف برین سیلز دیے ہیں ان کو استعمال کر کے ذرا خود دیکھو کہ تعلیماتِ نبوی سے اصحابِ رسول ﷺ کی زندگی میں کیسا انقلاب آگیا تھا؟

حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کی زندگی

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک ساتھی عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ آیئے! آج کی لیڈر شپ کی Qualities (خوبیوں) کو سامنے رکھتے ہوئے غور کرتے ہیں کہ ان کی زندگی اس معیار پر کس قدر پوری اترتی ہے۔

دو پیغمبروں کی دو دعائیں:

ایک بات ذہن میں رکھیں کہ قرآن مجید میں دو پیغمبروں کا تذکرہ ہے، جنہوں نے دو دعائیں مانگیں۔

......ایک موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ انہوں نے ہارون علیہ السلام کے لیے دعا مانگی:

﴿وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ﴾ (طٰہٰ:۲۹)

تو اللہ تعالیٰ نے ہارون علیہ السلام کو نبی بنا دیا۔

......اور ایک حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے دعا مانگی:

((اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ)) (سنن ابن ماجہ، رقم:۱۰۲)

''اے اللہ! عمر بن خطاب کے ذریعے اسلام کو سر بلندی عطا فرما، عزت عطا فرما۔''

اللہ نے یہ دعا قبول فرما لی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے خلیفۂ راشد بنے۔ نبی اس لیے نہ بنے کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا:

((لَوْ كَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَكَانَ عُمَرَبْنَ الْخَطَّابِ))(سنن الترمذی، رقم:۱۹۳۶)

اگر میرے بعد کوئی نبی آنا ہوتا تو عمر (کو اللہ نے وہ اہلیت دی تھی کہ یہ) نبی ہوتے۔

قبل از اسلام طبیعت کی سخت گیری:

اسلام لانے سے پہلے عمر رضی اللہ عنہ کی اپنی Personality (شخصیت) ایسی تھی کہ بہت سخت گیر طبیعت تھی۔ اس کو کہتے ہیں Personality Trait (شخصی صفت)۔ جابر قسم کی شخصیت تھی۔ اس لیے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

اَجَبَّارٌ فِی الْجَاهِلِیَّةِ (جامع الاصول فی احادیث الرسول: ۸/۶۰۵)

"تم تو جاہلیت میں اتنے سخت تھے۔"

ان کی طبیعت میں سختی اور جسم میں قوت بہت تھی۔ چنانچہ اگر ان کے قبیلے کا کوئی بندہ مسلمان ہوتا تھا تو یہ اس کو بہت زیادہ سزا دیتے تھے۔ لوگ ان سے ڈرا کرتے تھے۔

قبولِ اسلام:

سیرت کی کتب میں لکھا ہے کہ قریشِ مکہ نے آپس میں بیٹھ کر مشورہ کیا کہ ہم میں سے کوئی ہیچو مسلمانوں کے پیغمبر علیہ السلام کا قصہ ہی سمیٹ دے۔ کسی کی جرأت نہیں ہو رہی تھی۔ عمر بن خطاب کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: ہاں! یہ Assignment (کام) میں پوری کر دیتا ہوں۔ لوگوں کو یقین تھا کہ یہ اتنا بہادر لیڈر اور بے باک انسان ہے کہ یہ ایسا کر گزرے گا۔

چنانچہ گرمی کا دن ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ میں تلوار پکڑی اور لے کر چل پڑے۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ نبی علیہ السلام کو جہاں پائیں گے وہیں شہید کر دیں گے۔ راستے میں ایک صحابی نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو پوچھا: عمر! کہاں جا رہے ہو؟ کہا: مسلمانوں کے پیغمبر علیہ السلام کا قصہ سمیٹنے کے لیے۔ انہوں نے

کہا: پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو، آپ کے بہنوئی سعید رضی اللہ عنہ تو مسلمان ہو گئے۔ بس یہ سننے کی دیر تھی کہ وہیں سے رخ بدلا اور بہن کے گھر پہنچے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے آواز سنی جیسے گھر میں میاں بیوی کچھ نہ کچھ پڑھ رہے تھے۔ دروازہ کھولا گیا۔ پوچھا: کیا پڑھ رہے تھے؟ پتا تو چل گیا کہ قرآن پڑھ رہے تھے۔ کہنے لگے: کیا تم لوگ مسلمان ہو گئے ہو؟ تو بہنوئی نے کہہ دیا: اگر اسلام سچ ہے تو سچ کو قبول کرنے میں کیا حرج ہے؟ بس یہ سنا تو وہیں بہنوئی کو مارنا شروع کر دیا۔ نیچے گرا دیا اور ان کے سینے پر چڑھ بیٹھے۔ بہن چھڑوانے کے لیے آئیں تو بہن کو بھی تھپڑ لگا دیا۔ حتیٰ کہ اس کے منہ سے خون آ گیا۔ بہن نے ان کا راستہ روکا۔ انہوں نے کہا: ہٹ جاؤ، میں تمہیں مار دوں گا۔ تو بہن نے جواب دیا: ''عمر! جس ماں کا دودھ تو نے پیا ہے، اسی ماں کا دودھ میں نے بھی پیا ہے۔ تم ہمارے جسموں سے جان تو نکال سکتے ہو مگر ہمارے دلوں سے ایمان کو نہیں نکال سکتے۔'' بہن کے تڑپا دینے والے الفاظ عمر رضی اللہ عنہ کے دل پر بجلی بن کر گرتے ہیں۔ کہتے ہیں: اچھا! بتاؤ تم کیا پڑھ رہے تھے؟ انہوں نے کہا: تم ناپاک ہو۔ پہلے تمہیں غسل یا وضو کر کے پاک ہونا پڑے گا۔ چنانچہ وہ پاک ہو گئے اور قرآن سنا۔ اس کے بعد وہ مسلمان ہونے کے لیے تیار ہو گئے۔ چنانچہ دارِ ارقم میں آ کر کلمہ پڑھا اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں میں شامل ہو گئے۔ (السیرۃ النبویۃ لابن اسحاق: ۱/۶۳)

تعلیماتِ نبوی کا اثر:

یہ عمر رضی اللہ عنہ جن کی طبیعت اتنی سخت گیر تھی، جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مبارک ہاتھوں میں پہنچے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نئے سانچے میں ڈھال دیا۔ آپ معمارِ انسانیت تھے۔ آپ نے ان کی شخصیت کو اس طرح بنایا کہ آج دنیا عمر رضی اللہ عنہ کی بلندیوں کو دیکھ کر حیران ہوتی ہے۔

لیڈرشپ کے گیارہ اصول

1983ء میں لیڈرشپ کوالٹی کے بارے میں کچھ Rules (اصول) لکھے گئے جو Management (نظم ونسق) کی کتابوں میں آج ملتے ہیں۔ یہ باقاعدہ ایک Document (دستاویز) ہے۔ U.S. Army یو ایس آرمی نے اسے Compile (مرتب) کیا اور اسے کہتے ہیں:

"Eleven Rules of Leadership" (قیادت کے گیارہ اصول)

ہم ان کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کیسی تھی؟ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ان کو کیسے صحیح انسان بنایا؟

پہلا اصول:

ان میں سے پہلا پوائنٹ ہے:

(1) Know yourself and seek self-improvement

''اپنی اہلیت کو سمجھیں اور اس میں بہتری لانے کی کوشش کرتے رہیں''

یعنی اپنے آپ کو سمجھو اور اپنے اندر اچھائی پیدا کرنے اور بڑھانے کی کوشش میں لگے رہو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مبارک شخصیت ایسی تھی کہ وہ اپنا محاسبہ کرتے رہتے تھے۔ اپنی Weakness (کمزوری) کو بھی جانتے تھے اور اپنی Strength (طاقت) کو بھی جانتے تھے۔ ان کو پتہ تھا کہ مجھے اپنے آپ کو کیسے آگے بڑھانا ہے؟ اس لیے ہر نیک کام میں وہ سب سے آگے نظر آیا کرتے تھے۔ اور نیکی کرنے میں دوسروں کے لیے ایک مثال بن جایا کرتے تھے۔

دوسرا اصول:

(2) Make sound and timely decision

"برموقع فیصلہ کریں"

لیڈر شپ Qualities (خوبیوں) میں یہ دوسری کوالٹی ہے کہ انسان بر موقع، برمحل اور بروقت فیصلہ (Decision) کرے۔اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی فہم وفراست عطا فرمائی تھی کہ بہت مناسب وقت پر Decision لیتے تھے۔ان کی رائے وحی اور اللہ کی کتاب کے بالکل موافق ہوا کرتی تھی۔اسی لیے ان کے بارے میں کہا گیا:

((كَانَ رَأيُهُ مُوَافِقَةً لِلْوَحْيِ وَ الْكِتَابِ))

انہوں نے سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ان کو مشورہ دیا کہ اس وقت قرآن مجید جن پارچات پر لکھا ہوا ہے وہ مختلف لوگوں کے پاس موجود ہیں، آپ ان کو ایک جگہ اکٹھا کر لیجیے! چنانچہ انہوں نے (Timely) بروقت مشورہ دیا تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سب پارچات کو اکٹھا کیا اور قرآن مجید ایک جگہ جمع ہو گیا۔یہ عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی۔

پھر نبی علیہ السلام کے اس صحابی نے کتنے ایسے Decision (فیصلے) کروائے جو بر موقع تھے۔Initiatives (بنیادی اقدام) لیے۔مثلاً: پہلے آپ مجاہدین کو بھیجا کرتے تھے اور ان کے واپس آنے کا کوئی اصول طے نہیں تھا۔ایک رات گشت کرتے ہوئے آپ نے دیکھا کہ ایک خاتون اپنے خاوند کی یاد میں کچھ اشعار پڑھ رہی تھی۔اس کے بعد آپ نے اپنی بیٹی سے پوچھا کہ عورت اپنے خاوند کے بغیر کتنا عرصہ رہ سکتی ہے؟ حفصہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ چار مہینے۔چنانچہ انہوں نے اصول بنا دیا کہ ہر مجاہد

کو چار مہینے کے بعد واپس آ کر اپنے گھر میں رہنا لازمی ہو گا۔ تو وقت پر فیصلہ کرنا، Decision کا لینا، Initiatives کا لے لینا، یہ سیدنا عمرؓ کی مبارک زندگی میں ایک خاص بات نظر آتی ہے۔

تیسرا اصول:

(3) Set the Examples

''مثال قائم کریں''

یعنی جو لیڈر رہتا ہے اس کو اپنے آپ کو ایک مثال بنا کر پیش کرنا چاہیے۔ چنانچہ گاندھی کا قول ہے:

We must become the change we want to see

''ہم جو تبدیلی چاہتے ہیں اسے (عملاً) دیکھنا بھی چاہتے ہیں''

لوگ ناقد کو پسند نہیں کرتے، نمونے کو پسند کرتے ہیں جو دوسروں کے لیے رول ماڈل بن جائے۔ چنانچہ لیڈر شپ کوالٹی میں سے ایک یہ ہے کہ وہ دوسروں کے لیے رول ماڈل بن کر رہے۔ سیدنا عمرؓ بھی دوسروں کے لیے ایک رول ماڈل بن کر زندگی گزارتے تھے۔ مثالیں دیکھیے:

◉...... آپ کے زمانۂ خلافت کی بات ہے۔ ایک طرف سے خوشبو آئی جو لوگوں میں تقسیم کرنی تھی۔ بیوی نے پوچھا: یہ خوشبو میں تقسیم کر دوں؟ فرمایا: نہیں۔ بیوی نے پوچھا کہ کیا آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں کہ میں اس کو ٹھیک ٹھیک تقسیم کروں گی؟ فرمایا: نہیں، مجھے یہ تو پکا اعتماد ہے کہ آپ اسے ٹھیک تقسیم کریں گی، مگر میرے دل میں یہ بات ہے کہ جب آپ خوشبو کو تقسیم کر رہی ہوں گی تو تقسیم کرنے کے دوران کچھ خوشبو تو آپ کے ہاتھوں کو بھی لگے گی، یہ جو تھوڑی سی خوشبو کا استعمال ہو گا میں اپنے گھر والوں کے

لیے اس کو بھی جائز نہیں سمجھتا۔ (الزھد لاحمد بن حنبل: ۱/۱۱۹)

◉ ......سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رات کو بیٹھے کچھ امورِ خلافت کا کام کر رہے تھے۔ دروازے پر دستک ہوتی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کون؟ جواب آیا: آپ کا بھائی علی المرتضی آیا ہوں۔ فرمایا: تشریف لائیے! چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، استقبال کیا، بٹھایا اور بٹھا کر ایک سوال پوچھا: بھائی علی! کوئی ذاتی بات کرنی ہے یا انتظامی امور کے متعلقہ بات کرنی ہے۔ فرمایا: نہیں، میں تو ایک ذاتی بات کرنے کے لیے آیا ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی چیزوں کو سمیٹا اور پھونک مار کر چراغ کو بجھا دیا اور کہا کہ اچھا اب ہم بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ حیران ہوئے۔ فرمایا: عمر! مہمان کے آنے پر چراغ کو جلایا کرتے ہیں، بجھایا تو نہیں کرتے؟ تو عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: علی! آپ نے ٹھیک کہا، لیکن بات یہ ہے کہ مجھے اور آپ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم ذاتی گفتگو کرتے رہیں اور بیت المال کے پیسے کا تیل جلتا رہے۔ تو ایک مثال قائم کر کے دکھا دی کہ لیڈر شپ کی صفات کیسی ہوتی ہیں۔ (حضرت تھانوی کے پسندیدہ واقعات: ص ۱۰۴)

◉ ......صحابہ رضی اللہ عنہم کی مجلس ہے، جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی موجود ہیں۔ سب نے مل کر مشورہ کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت کے امیر المومنین ہیں مگر ان کی اکنامک کنڈیشن بہت کمزور ہے۔ لباس بھی پورا صحیح نہیں ہوتا، کھانے پینے میں بھی وسعت نہیں، تو ان کا جو مشاہرہ ہے اس میں اضافہ کرنا چاہیے...... آج ہماری تو یہ حالت ہے کہ ہم انکریمنٹ کے آنے کے وقت اللہ سے دو رکعت نفل پڑھ کر دعائیں مانگ رہے ہوتے ہیں کہ ڈبل ٹرپل انکریمنٹ آجائے...... ذرا ان کا حال دیکھیے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے صحابہ مشورہ کر رہے ہیں، سب کا متفقہ خیال ہے کہ تنخواہ میں اضافہ ہونا چاہیے، لیکن عمر رضی اللہ عنہ کو کون کہے؟ کہنے لگے کہ یہ تو **Difficult Task** (مشکل کام) ہے۔ کیوں نہ ہم ایسا کریں کہ نبی علیہ السلام کی زوجہ محترمہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا جو عمر رضی اللہ عنہ کی

صاحبزادی بھی ہیں، ان کو واسطہ بناتے ہیں۔ چونکہ ام المؤمنین بھی ہیں اور بیٹی بھی ہیں، اس لیے ان کی بات سنی جائے گی۔

چنانچہ انہوں نے ایک دو بندے بھیجے اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ آپ عمر رضی اللہ عنہ کو سفارش کر دیں کہ ہم سب لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اپنی تنخواہ جو وہ بیت المال سے لیتے ہیں اس میں تھوڑا سا اضافہ کر دیں، تاکہ ان کو آسانی ہو جائے۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کی تو عمر رضی اللہ عنہ نے پہلا سوال یہ پوچھا کہ یہ بات کس نے کی ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نام نہیں بتاؤں گی۔ فرمایا: حفصہ! اگر تو مجھے بتا دیتی تو میں ان لوگوں کو سیدھا کر دیتا۔ وہ مجھے مشورے دیتے ہیں کہ تم تنخواہ بڑھا لو، لیکن تم بتاؤ کہ تمہارے گھر میں نبی علیہ السلام کا لباس کیسا تھا؟ انہوں نے کہا کہ گیرو رنگ کے کپڑے تھے، قافلے آتے تھے تو اس دن پہن لیا کرتے تھے، باقی نارمل ہی لباس ہوتا تھا۔ کھانے میں بس خشک روٹی ہوتی تھی، میں اس کو کبھی کبھی گھی سے چپڑ دیا کرتی تھی، نبی علیہ السلام خود بھی خوش ہو کر کھاتے تھے اور دوسروں کو بھی کھلاتے تھے، سادہ سی زندگی تھی۔ فرمایا: حفصہ! اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روشن مثال قائم کر دی، عمر اس راستے پر چلے گا تو اسی منزل پر پہنچے گا، راستہ بدل جائے گا تو منزل بھی بدل جائے گی۔ پھر فرمایا: حفصہ! میں کیسے تنخواہ زیادہ لے لوں، کیا معاشرے کا ہر بندہ اتنا کچھ کھا لیتا ہے جو میں کھا لیتا ہوں؟ جب تک ہر بندے کی انکم اتنی نہیں بن جاتی، عمر کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ بیت المال سے اپنی تنخواہ کو زیادہ کرے۔ (تاریخ المدینۃ المنورۃ)

چوتھا اصول:

(4)Know your people and look out for their well being

''اپنے بندوں کی ضروریات کو جانو اور ان کی بہتری کے لیے کوشش کرتے رہو''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عوام کے حالات کو معلوم کرنے کے لیے راتوں کو جاگا کرتے تھے۔ کیا عجیب وقت تھا کہ عوام الناس میٹھی نیند سوتے تھے اور جو ان کے نگران و نگہبان تھے وہ راتوں کو اٹھ کر گلیوں میں سے گزر کر اپنے عوام کے حالات معلوم کیا کرتے تھے کہ کون کس حال میں ہے؟ اور اگر کسی کو ضرورت مند پاتے تھے تو اس کی ضرورت کو پورا کر دیا کرتے تھے، حتیٰ کہ بیت المال سے روزینہ متعین کیا جاتا تھا۔

پانچواں اصول:

(5) Keep your workers informed.

''ماتحتوں کو اپنی پالیسی سے باخبر رکھنا''

جو آپ کے ماتحت ہیں، جو آپ کے کارکن ہیں، ان کو آپ اپنی پالیسی سے باخبر رکھیں۔ کئی دفعہ لوگ دوسروں کو انفارمیشن فراہم ہی نہیں کرتے۔ یہ کوئی اچھی لیڈرشپ نہیں ہوتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ جن لوگوں کو گورنر بنایا کرتے تھے، ان کو خطوط لکھا کرتے تھے اور خطوط کے ذریعے، ان کو کیا کرنا چاہیے کیا نہیں کرنا چاہیے، بتاتے رہتے تھے۔ اس کو کہتے ہیں: **What to do, what not to do.**

یہ دونوں باتیں بتانی ضروری ہوتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو تفصیلاً بتاتے تھے کہ انہوں نے اپنے چارٹر آف ڈیوٹی کو کیسے پورا کرنا ہے؟ اس لیے کہتے ہیں:

Power and authority are for helping others grow.

چنانچہ معاشرے کے ہر ہر فرد کو پتہ تھا کہ اس نے کیسے زندگی گزارنی ہے۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک رات کو مدینہ طیبہ کی گلیوں سے گزر کر جا رہے تھے کہ صبح کا وقت ہو گیا۔ ایک گھر کے پاس سے گزرے تو اندر سے آواز آ رہی تھی۔ ایک بڑی عمر کی عورت کہہ رہی تھی: بیٹی! کیا بھینس نے دودھ دے دیا؟ اس نے کہا: جی دے دیا۔ پوچھا: کتنا دیا؟ اس نے کہا: تھوڑا دیا۔ کہنے لگی: چلو پھر کچھ پانی ملا کر مقدار پوری کر دو۔ بیٹی نے کہا: میں تو نہیں ملاؤں گی۔ وہ کہنے لگی: کیوں؟ اس نے جواب دیا: اس لیے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے منع کیا ہے کہ کوئی دودھ میں پانی مت ملائے۔ اس نے کہا: عمر رضی اللہ عنہ کونسا دیکھ رہے ہیں؟ تو وہ بچی جواب دیتی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نہیں دیکھ رہے تو عمر کے خدا تو دیکھ رہے ہیں (کنزل العمال، رقم: ۳۷۸۴۵)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ معاشرے کے ایک کامن پرسن (عام آدمی) کو بھی پتہ تھا کہ میرے کیا فرائض (Duties) ہیں اور مجھے کس طرح زندگی گزارنے کا حکم دیا گیا ہے۔

چھٹا اصول:

(6) Develop sense of responsibility in workers

''کارکنوں میں احساسِ ذمہ داری پیدا کرنا''

جو کام کرنے والے لوگ ہیں ان میں ایک احساسِ ذمہ داری ہو۔ آج احساسِ ذمہ داری نہ ہونے کی وجہ سے ہم تنزلی کا شکار ہو رہے ہیں۔ اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہم میں سے بہت کم لوگوں کو ہو گا۔ بہت ہی بے حس ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ یہی چیز قوموں کے زوال کا سبب بنتی ہے۔ آج آپ کسی نوجوان سے پوچھیں: کیسی نوکری ملی؟ کہے گا: بڑی اچھی نوکری ملی ہوئی ہے۔ وہ کیسے؟ جی اتنی Basic

Pay (بنیادی تنخواہ) ہے، اتنا ہاؤس رینٹ ہے، اتنا میڈیکل الاؤنس ہے، اتنا کنوینس الاؤنس ہے، اتنے بونس ہیں، اتنی گریجوایٹی ہے، اور اتنی میڈیکل لیو ہیں اور کام کوئی نہیں...... یعنی ہمارے نزدیک آج ایک اچھی جاب کی علامت یہ بن گئی کہ کام کوئی نہیں۔ اتنی حیرت ہوتی ہے! وہ قوم کیسے سنورے گی کہ جس کے نوجوان اس نوکری کو اچھا سمجھیں جہاں کام ہی کوئی نہ ہو؟ یہ تو افسوس کی بات ہے۔

مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معاملہ کچھ اور تھا۔ وہ اپنے ماتحتوں کو کام دیا کرتے تھے اور ان کا احساس بھی کیا کرتے تھا، احساسِ ذمہ داری تھا۔ ان کے اپنے احساسِ ذمہ داری کا ایک واقعہ سن لیجیے!

ایک دفعہ رات کا وقت ہے، اپنے غلام اسلم رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں: اسلم! ہم نے اس شہر میں تو متعدد بار گشت کیا، آج ذرا صحرا میں جا کر دیکھتے ہیں کہ وہاں کے لوگ کس حال میں ہیں؟ انہوں نے کہا: ٹھیک ہے۔ چنانچہ ان کو لے کر چل پڑتے ہیں۔ مدینے طیبہ کے صحرا میں ایک قافلہ اترا تھا اور وہاں قیام پذیر تھا۔ وہاں گئے۔ دیکھا کہ لوگ اپنے اپنے خیموں میں آرام کر رہے تھے۔ ایک خیمے کے آگے ایک عورت اپنے دو بچوں کے ساتھ ہے اور آگ جل رہی ہے۔ سلام کیا، پوچھا: آپ کس حال میں ہیں؟ اس نے کہا: ایک بیوہ عورت ہوں، میرے دو بچے ہیں اور ان کو کھانے پینے کو کچھ نصیب نہیں ہے، میں نے آگ جلائی ہے اور دیگچی رکھ دی ہے، اس میں صرف پانی ڈال دیا ہے، یہ میرے بچے انتظار کر رہے ہیں کہ کچھ پکے گا اور ہم کھائیں گے، اور یہ رو رہے ہیں اور بالآخر روتے دھوتے یہ سو جائیں گے اور مجھ بیوہ کی رات گزر جائے گی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو انہوں نے اسلم رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا، بیت المال آئے، اس کا دروازہ کھلوایا۔ وہاں سے آٹے کی بوری لی اور کچھ شہد لیا اور گھی کا ڈبہ لیا اور یہ لے کر چل پڑے اور جو آٹے کی بوری تھی وہ وزنی تھی۔ اسلم رضی اللہ عنہ کو کہا کہ اس کو میری پیٹھ پر

رکھو۔ حالانکہ غلام ساتھ ہے، اگر آپ چاہتے تو اس کو کہتے کہ بھئی! اس کو لے کر میرے ساتھ چلو۔ انہوں نے کہا کہ امیر المومنین! مجھے موقع دیجیے! میں اٹھا کر لے جاتا ہوں، فرمانے لگے: اسلم! کیا قیامت کے دن بھی تم عمر کا بوجھ اٹھاؤ گے یا عمر کو خود اٹھانا پڑے گا؟ وہ چپ ہو گئے۔ عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یہ میری ڈیوٹی تھی کہ ان کو کھانا ملتا، نہیں ملا تو اب اس کا بوجھ مجھے اٹھانا ہے۔ انہوں نے خود آٹے کی بوری اٹھا کر پورا شہر کراس کیا، وہاں پہنچے اور اس عورت کو آٹا، گھی اور شہد دیا اور کہا کہ ان بچوں کے لیے کچھ بنائے۔ اس نے کہا کہ اچھا میں برتن دھوتی ہوں، کچھ بناتی ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اچھا تمہاری آگ میں جلاتا ہوں۔ چنانچہ آگ جلانے کے لیے لکڑیوں کو پھونک مارنے لگے۔ اسلم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں دیکھ رہا تھا کہ لکڑیاں گیلی تھیں تو بڑی پھونکیں مارنی پڑیں، لیکن آپ آگ جلانے کے لیے لگے ہوئے تھے۔ بالآخر آگ جل گئی۔ اتنے میں اس عورت نے برتن دھو لیے۔ پھر اس عورت نے برتن میں گھی ڈالا، آٹا ڈالا، شہد ڈالا، تاکہ کچھ حلوہ نما چیز بن جائے۔ بچے کچھ مہک سونگھ کر خوش ہو گئے۔ میں نے کہا کہ حضرت! اب یہ کھانا بنا لے گی، وقت کافی ہو چکا ہے چلتے ہیں۔ فرمایا: نہیں، ابھی بیٹھیں۔ بیٹھے رہے، حتیٰ کہ حلوہ بن گیا اور اس نے بچوں کو کھلایا، بچے کھانے لگے۔ بچوں کا پیٹ بھر گیا تو وہ بچے خوشی سے کھیلنے لگے۔ عمر رضی اللہ عنہ ان کو کھیلتا دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں، اور جب دیکھا کہ یہ خوب خوش ہیں تو پھر اٹھ کر چلے آئے۔ میں نے پوچھا: امیر المومنین! آپ نے اتنی دیر بیٹھ کر انتظار کیوں کیا؟ عمر رضی اللہ عنہ کا جواب سنیے! فرمایا: ''اسلم! میں نے ان آنکھوں سے ان بچوں کو روتے ہوئے دیکھا تھا، میرا جی چاہا کہ ان آنکھوں سے ان کو ہنستے ہوئے بھی دیکھتا جاؤں'' سبحان اللہ! یہ ہوتی ہیں لیڈر شپ کی صفات، یہ ہوتے ہیں قوم کے ذمہ دار اللہ اکبر! (حیاۃ الصحابہ للکاندھلوی)

ساتواں اصول:

(7) Ensure tasks are understood and done.

''جائزہ لیتے رہنا کہ امور کی کما حقہ بجا آوری ہو رہی ہے''

یہ لیڈر شپ کی ساتویں خوبی ہے۔ ان لیڈر شپ کے اصولوں کو طے کرنے کے لیے لاکھوں ماہرین نفسیات بیٹھے ہوں گے اور ان کی سٹڈیز کو سامنے رکھا گیا ہوگا۔ اور اتنی سٹڈی اور محنت کے بعد پھر ان کو فائنل کیا گیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جس بندے کے ذمے کام لگاتے تھے اس کا پتہ بھی کرتے تھے کہ وہ اپنا کام کر بھی رہا ہے یا نہیں کر رہا۔ چنانچہ ایک چھوٹا سا واقعہ سن لیجیے! کہ کام ذمہ لگانے والے کیسے تھے؟ اور جن کے ذمے کام لگایا جاتا تھا وہ کیسے تھے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حمص پہنچے۔ یہ Syria (شام) کا ایک شہر ہے۔ وہاں کے گورنر سے ملاقات ہوئی، پھر لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا کہ تمہیں اپنے گورنر کے بارے میں کوئی شکایت تو نہیں۔ انہوں نے کہا: جناب! ہمیں اپنے گورنر سے چار شکایات ہیں۔ فرمایا: بتاؤ کونسی؟

کہنے لگے: پہلی بات تو یہ کہ یہ ڈیوٹی پر صبح جلدی نہیں آتے، جب سورج خوب اوپر آ جاتا ہے تب یہ ڈیوٹی پر آتے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تمہاری شکایت بجا۔ دوسری شکایت کونسی ہے؟ انہوں نے کہا: دوسری شکایت یہ ہے کہ یہ دن میں تو ہم سب کے کام کرتے ہیں، بات سنتے ہیں، رات کو یہ کسی سے نہیں ملتے۔ دروازہ بند رہتا ہے۔ کہا: یہ بھی تمہاری شکایت بجا ہے۔ تیسری شکایت کیا؟ کہا کہ مہینے میں ایک دن ایسا آتا ہے کہ پورا دن یہ چھٹی کرتے ہیں، گھر سے نہیں نکلتے۔ فرمایا: یہ بھی تمہاری شکایت بجا۔ چوتھی شکایت بتاؤ! انہوں نے کہا: کبھی کبھی ان پر ایسا دورہ پڑتا ہے کہ جیسے موت

آ جائے اتنا یہ روتے ہیں، انہوں نے کہا کہ یہ بھی تمہاری شکایت بجا۔

چنانچہ انہوں سعید بن عامر رضی اللہ عنہ جو گورنر تھے ان کو بلا لیا اور کہا کہ یہ لوگ کچھ آپ سے پوچھنا چاہتے ہیں، ذرا ان کو جواب دے دیجیے! اب یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کی کھلی کچہری ہے۔ ذرا اس کا بھی حال سن لیجیے!

لوگوں نے کہا کہ جناب! آپ دن چڑھے گھر سے نکلتے ہیں، جلدی کیوں نہیں آتے؟ تو گورنر نے جواب دیا: جناب! میرے گھر میں کوئی خادم ہے نہ خادمہ۔ فقط میری بیوی ہے اور میں ہوں۔ مجھے اپنے گھر کے کاموں میں اپنی بیوی کی مدد کرنی پڑتی ہے، صبح کے وقت میں آٹا گوندھتا ہوں، پھر تھوڑی دیر انتظار کرتا ہوں کہ روٹی اچھی بن جائے۔ پھر میری بیوی روٹی بنا دیتی ہے، میں گھر کے دوسرے کام سمیٹ دیتا ہوں اور پھر میں کھانا کھا کر گھر سے نکلتا ہوں تو اس طرح مجھے آنے میں کچھ دیر ہو جاتی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ بڑے خوش ہوئے کہ اتنے بڑے عہدے پر ہوتے ہوئے بھی اتنی تواضع کہ گھر میں اپنی بیوی کے کاموں میں خود مدد کرتے ہیں اور اپنے لیے کوئی خادم اور خادمہ نہیں۔

فرمایا: اچھا! دوسری بات پوچھو! لوگوں نے کہا: جی! رات کو کسی کی بات نہیں سنتے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کا جواب دیں۔ انہوں نے کہا: جی! میں نے اپنی زندگی کے اوقات کو تقسیم کر لیا ہے۔ میں نے دن اللہ کے بندوں کی خدمت کے لیے وقف کر دیا اور رات کا وقت اللہ کی عبادت کے لیے وقف کر دیا۔ میں دن میں لوگوں کے پاس ہوتا ہوں اور رات میں مصلے پر اپنے رب کے ساتھ ہوتا ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ سن کر خوش ہوئے۔

پھر پوچھا کہ تیسری بات کیا ہے؟ لوگوں نے تیسرا اعتراض کیا کہ جی! مہینے میں ایک دن یہ گھر سے نہیں نکلتے۔ پوچھا: کیوں؟ انہوں نے کہا: اس لیے کہ میرے پاس

ایک سے زیادہ جوڑے نہیں ہیں۔ یہ جو آپ جوڑا پہنا دیکھ رہے ہیں بس میرے پاس یہی ہے۔ اس لیے ایک دن ایسا آتا ہے کہ میں گھر میں لنگوٹ باندھ لیتا ہوں اور اس جوڑے کو خود دھوتا ہوں۔ پھر مجھے اس کے خشک ہونے کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اب چونکہ مجھے کپڑے بھی دھونے ہوتے ہیں اور ان کے خشک ہونے کا انتظار بھی کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے مجھے مہینے میں ایک دن اپنی اس ضرورت کے لیے فارغ کرنا پڑتا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ سن کر بہت حیران ہوئے۔ لوگوں نے بھی کہا: ہاں واقعی یہ ایک جائز ضرورت ہے۔

پوچھا: چوتھا اعتراض کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ کبھی کبھی ان پر موت کی سی غشی کے دورے پڑتے ہیں۔ پوچھا: وہ کیوں؟ کہنے لگے: اہلِ مکہ نے جب خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، پھانسی پر لٹکایا تھا، میں اس وقت مشرک تھا، اسلام قبول نہیں کیا تھا، مشرکین کے ساتھ تھا۔ میں نے وہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

جس دھج سے کوئی مقتل کو گیا وہ شان سلامت رہتی ہے

خبیب رضی اللہ عنہ جس طرح پھانسی کے پھندے تک چل کر گئے تھے، پھر جس طرح مشرکین نے ان کے اعضا کو پہلے کاٹا، تکلیف دی، پھر ان سے پوچھا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ تمہیں آزاد کر دیا جائے، اور تمہارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری جگہ ہوتے۔ یہ سن کر خبیب رضی اللہ عنہ نے ان کو جواب دیا تھا: میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ مجھے چھوڑ دیا جائے اور اس کے بدلے میرے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاؤں میں کوئی کانٹا چبھ جائے۔ انہوں نے کہا: پھر ہم تمہیں پھانسی چڑھا دیں گے، فرمایا: چڑھا دو۔ چنانچہ انہیں پھانسی چڑھا دیا گیا۔ تختہ دار پر انہوں نے یہ دعا کی تھی: اللہ! میں جس حال میں ہوں میرے محبوب کو یہ دکھا دینا۔ کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ درمیان میں جتنے پردے تھے اللہ رب العزت نے ہٹا دیے، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آنکھوں سے دیکھا کہ دین اسلام

کی خاطر کس طرح جان دے رہے تھے۔ فرمانے لگے: جب وہ منظر میرے سامنے آتا ہے تو مجھے پشیمانی کا احساس ہوتا ہے کہ کاش! میں نے اس وقت اسلام قبول کیا ہوتا اور میں نے خبیب رضی اللہ عنہ کی اس وقت مدد کی ہوتی، میں کیوں مشرکین کے ساتھ تھا؟ میں خبیب کا ساتھی کیوں نہیں تھا؟ جب یہ بات یاد آتی ہے تو مجھے لگتا ہے کہ شاید میرا گناہ قیامت کے دن معاف نہیں ہوگا، پھر میرے اوپر غم طاری ہوتا ہے اور موت کی سی غشی طاری ہو جاتی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ جس کو میں نے لوگوں کے امور کا نگران بنایا ہے، اللہ کا کتنا خوف اس کے دل میں موجود ہے۔ (حیاۃ الصحابہ للکاندھلوی رحمہ اللہ)

آٹھواں اصول:

(8) Train as a team

"کام کرنے والی ٹیم پیدا کرنی چاہیے"

جو اچھے لیڈر ہوتے ہیں وہ اپنی عوام کو ایسی ٹیم پیش کیا کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایسے تربیت کیا کرتے تھے اور انہیں کاموں پر بھیجا کرتے تھے۔

مشہور واقعہ ہے کہ ایک گھر میں کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم تشریف فرما تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سب اپنی اپنی تمنائیں بیان کرو۔ کسی نے کہا: میرا دل چاہتا ہے یہ پورا مکان مال سے بھرا ہوتا اور میں اس مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتا۔ دوسرے نے کہا: میرا دل چاہتا ہے، جیسے یہ اتنا اعلیٰ مکان ہے، ایسے ہی اللہ مجھے جنت میں بھی اعلیٰ مکان عطا فرمائے۔ تو ہر ایک نے اپنی اپنی تمنا بیان کی۔ صحابہ نے پوچھا: امیر المومنین! آپ کی تمنا کیا ہے؟ انہوں نے کہا: میری تمنا یہ ہے کہ یہ مکان حذیفہ رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ کے ساتھ بھرا ہوتا اور میں ان لوگوں کو پوری دنیا میں دین کی خدمت کے لیے نمائندہ بنا کر بھیج دیتا۔ (حیاۃ الصحابہ للکاندھلوی رحمہ اللہ)

نواں اصول:

(9) Use fall capability of organization

''قوانین کا نفاذ ہونا چاہیے''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واقعی قوانین بنائے اور ان کو لاگو کر کے دکھا دیا اور اس معاملے میں وہ کسی سے نرمی نہیں کیا کرتے تھے۔ بہت زیادہ ڈسپلن تھا۔

دسواں اصول:

(10)Be Technically proficient.

''بندے میں اس عہدے کی تکنیکی اہلیت بھی ہونی چاہیے''

عمر رضی اللہ عنہ نے ڈیم بنوائے، پولیس کا محکمہ بنوایا، کوفہ کو مسلمانوں کی چھاؤنی بنوایا اور انصاف کی فضا قائم کر کے دکھا دی کہ واقعی! اللہ کے بندے، ایک ایسے انصاف کے ماحول میں بھائی بھائی بن کر زندگی گزارتے ہیں۔ چنانچہ یمن سے ایک عورت چلتی ہے اور مدینہ پہنچتی ہے، عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تو نے اکیلے سفر کیوں کیا؟ اس نے اپنی مجبوری بیان کی۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: بتاؤ! تم نے راستے میں لوگوں کو کیسا پایا؟ تو وہ جوان العمر عورت کہتی ہے: میں ایک عورت ہوں، میرے پاس زیور بھی تھا، میری جان کا بھی مسئلہ، آبرو کا بھی مسئلہ، میں نے یمن سے مدینہ کا سفر کیا اور میں اس نتیجہ پر پہنچی کہ وہاں سے لے کر یہاں تک ایک ماں کی اولاد رہتی ہے۔

گیارہواں اصول:

(11)Seak responsibility and take responsibility of

your action.

''اپنی (ذمہ داری) کو سمجھے اور اپنے امور کی ذمہ داری اپنے سر پر لے، لوگوں پر نہ ڈالے۔''

چنانچہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے اگر دریائے دجلہ کے کنارے کوئی کتا بھی پیاسا مر جائے گا تو قیامت کے دن عمر کو اس کا جواب دہ ہونا پڑے گا۔ دریائے فرات کے کنارے کوئی کتا پیاسا مرا تو وہ پیاسا کیوں مرا؟ اس کا جواب بھی عمر کو دینا پڑے گا۔ احساسِ ذمہ داری اتنا تھا کہ ان کو ہر وقت فکر رہتی تھی۔

ایک مرتبہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ملے اور کہا: حذیفہ! مجھے پتہ ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو منافقین کے نام بتا دیے اور یہ بھی پتہ ہے کہ آگے بتانے سے منع کر دیا تھا، چنانچہ میں آپ سے ان کے نام تو نہیں پوچھتا، بس اتنا پوچھتا ہوں کہ بتاؤ کہ کہیں عمر کا نام تو ان میں شامل نہیں۔ (مکاشفۃ القلوب للغزالی رحمۃ اللہ علیہ)

جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو اس وقت آپ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں کہا: بیٹے! جب میری وفات ہو جائے تو مجھے جلدی نہلا دینا، کفنا دینا، مجھے جلدی دفنا دینا۔ دو تین مرتبہ یہ دہرایا تو بیٹے نے کہا: ابا جان! ہم جلدی تو کریں گے مگر اتنا آپ سٹریس (زور) کیوں کر رہے ہیں؟ اس وقت عمر رضی اللہ عنہ جواب دیتے ہیں: بیٹے میں زور اس لیے دے رہا ہوں، کہ اگر اللہ مجھ سے راضی ہیں تو تم جلدی مجھے اللہ سے ملا دینا اور اگر اللہ مجھ سے خفا ہیں تو میرا بوجھ جلدی اپنے کندھوں سے اتار دینا۔ (تاریخ ابن عساکر: ۴۴/ ۴۴۵)

یہ لیڈر شپ کی **Qualities** (خوبیاں) تھیں جن کی وجہ سے آج دنیا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کو یاد کرتی ہے۔ **The Hundard** (دی ہنڈرڈ) ایک کتاب

ہے۔اس میں مائیکل ہارٹ نے عمر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا کہ واقعی! انہوں نے دنیا کے اندر لیڈرشپ کی ایک اعلیٰ مثال قائم کردی تھی۔

تعلیماتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے امیر المومنین بنادیا:

اب ان کا ایک واقعہ سن لیجیے! تاکہ ہم اپنی بات کو مکمل کریں۔ مکہ مکرمہ جارہے ہیں۔ پیچھے بہت سے لوگ ہیں، ایک جگہ رک کر کھڑے ہو گئے۔ وادی میں دیکھ رہے ہیں۔ دھوپ کافی ہے۔ کسی نے کہا: حضرت! آپ کھڑے کیوں ہو گئے؟ فرمانے لگے: میں اس وادی کو دیکھ رہا ہوں، اسلام لانے سے پہلے میں یہاں اونٹ چرانے آتا تھا، مجھے اونٹ چرانے کا سلیقہ بھی نہیں آتا تھا، میرے اونٹ خالی پیٹ جاتے تھے تو میرا والد مجھے کوستا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ تو کیسے زندگی گزارے گا، تجھے تو اونٹ چرانے نہیں آتے۔ میں اپنے اس وقت کو یاد کرتا ہوں جب مجھے اونٹ بھی چرانے نہیں آتے تھے اور آج اس وقت کو یاد کر رہا ہوں جب میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نے عمر کی زندگی ایسی بدل دی کہ عمر کو امیر المومنین بنا کر رکھ دیا۔ یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعمیرِ انسانیت کی کتنی انوکھی مثال ہے کہ جس کو اونٹ چرانے نہیں آتے تھے وہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے وقت کے امیر المومنین بن گئے۔

صفہ......تعلیماتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا مرکز:

آج کی یونیورسٹیز اور کالجز کو ہم دیکھیں تو عام طور پر یہ آنے والے طلبا کو کسی ایک شعبے یا فن کی تعلیم دیتے ہیں۔ مثلاً:

......کامرس کالجز سے بزنس ایڈمنسٹریشن، اکاؤنٹنسی اور اکنامیکل افیئرز کی تعلیم ملتی ہے۔

......اگر کسی نے ڈاکٹر بننا ہو تو وہ میڈیکل کالجز میں جاتا ہے۔

......انجینئر بننے کے لیے انجینئرنگ یونیورسٹیاں ہیں۔

......فضائی انجینئرنگ سیکھنے کے لیے ایروناٹیکل انجینئرنگ کے ادارے ہیں۔

......آرمی مکینکل انجینئرنگ کے الگ ادارے ہیں۔

الغرض کہ آج کے تعلیمی ادارے کسی ایک شعبے میں ہی بندے کو ایکسپرٹ بناتے ہیں۔لیکن قربان جائیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات بابرکات پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسجد نبوی میں صفہ کو تعلیمی مرکز بنایا اور وہاں سے تعلیمی وتربیتی معارف کے ایسے جواہر تقسیم کیے کہ جو شاگرد آیا وہ انسانِ کامل بن کر نکلا۔ربِ کائنات کی منشا دیکھیے !

فرشتوں کو دکھانا تھا ، بشر ایسے بھی ہوتے ہیں

گلشنِ نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے پھولوں کا تعارف:

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان معاشرے کے کسی ایک طبقے کو نہیں، بلکہ ہر بنی نوع انسان کو ملا۔آیئے !اس گلشن کے پھولوں کا تعارف کیجیے!

◉......دیگر مذاہب کے کبار علما، جیسے:

......یہود کے بڑے عالم عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ

......عیسائیوں کے پیشوا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ

......قبیلہ طے کے پادری تمیم داری رضی اللہ عنہ

......اور مجوسیوں میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جیسے جدی پشتی آتش کدہ جلانے والے۔

فیضانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فیضیاب ہو کر دنیا کو فیضیاب کرتے ہیں۔

◉......کئی صحابہ دور دراز کے علاقوں سے آتے ہیں۔جیسے:

......حبشہ سے بلال رضی اللہ عنہ آئے

......روم سے صہیب رضی اللہ عنہ آئے

......ایشیائے کوچک سے عداس رضی اللہ عنہ آئے۔

اور آکر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خدّام میں شامل ہو جاتے ہیں۔

◉......بادشاہوں کا نظارہ دیکھیے:

......شاہِ دومۃ الجندل، اکیدر رضی اللہ عنہ

......شاہِ بحرین، عبفر رضی اللہ عنہ

......شاہ ابی سینا، صحم رضی اللہ عنہ

......شاہِ حمیر، ذوالکلاع رضی اللہ عنہ

......ملک یمن کے وائسرائے، باذان رضی اللہ عنہ، اور

......ملکِ شام کے وائسرائے، فرودہ خزاعی رضی اللہ عنہ

آتے ہیں اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں میں شامل ہو جاتے ہیں۔

◉......شعروادب کی دنیا کے ماہرین پر نظر دوڑائیے:

......ابنِ زہیر جیسے سخن گستر

......نابغہ جیسے زبان آور

......کعب جیسے زمزمہ سنج اور

......حسان جیسے حقیقت پسند

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خوشہ چیں نظر آتے ہیں۔

◉......شجاعت و بہادری کے پیکر

......فاتحِ عراق، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

......فاتحِ شام، ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ

......فاتحِ ایران، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور

......فاتحِ مصر، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

درِ نبوت سے ہی ذوقِ خدائی لے کر نکلتے ہیں۔

......جرأت و بے باکی میں:

......ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ

......شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ

......عکرمہ کرز بن جابر الفہری رضی اللہ عنہ

......سہیل بن عمرو قرشی رضی اللہ عنہ

......ثمامہ بن اثال نجدی رضی اللہ عنہ

......اور ابو سفیان رضی اللہ عنہ

جیسے امیرِ جیش نظر آئیں گے۔

......فقرا اور غربا کے طبقے کو دیکھیے:

حضرت سالم رضی اللہ عنہ......ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں، مگر راہِ ہجرت میں مہاجرین کے امام ہیں۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ......غلام ہیں، مگر سریہ موتہ میں جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے اوپر تھے۔

صہیب رومی رضی اللہ عنہ......غلام ہیں، مگر عہدِ فاروقی کے آخری دور میں مسجدِ نبوی کے امام ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کام لیا۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ جماعت ایک مقدس جماعت بن کر گزری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نے ان کو انسان بنا کر رکھ دیا۔ یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ طیبہ کا کیا روشن باب ہے!

آیئے! تبدیلی کا عہد کریں:

آج کی اس مجلس میں ہم بھی یہ عہد اور ارادہ کریں کہ ہم سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کریں گے اور ان کی تعلیمات کے مطابق زندگی کو بدلیں گے اور ایک اچھا انسان بن کر رہنے کی آئندہ کوشش کریں گے۔ یہی نبی علیہ السلام کی ولادت کے دن کا پیغام ہے۔ اسے ہم ایک Lesson (سبق) سمجھ کر اس کو قبول کریں اور کمٹمنٹ کریں کہ آج کے دن ہماری زندگیوں میں ایک تبدیلی آئے گی۔ ہم ایک معاشرے کا بہتر انسان اور گھر کا بہتر فرد بن کر زندگی گزاریں گے اور نبی ﷺ کی تعلیمات کو پوری دنیا کے اندر پھیلائیں گے۔ ؎

نبی آتے رہے آخر میں نبیوں کے امام آئے
وہ دنیا میں خدا کا آخری لے کر پیغام آئے
پَرِ پرواز بخشے اس نے ایسے آدمیت کو
ملائک رہ گئے پیچھے کچھ ایسے بھی مقام آئے
وہ آئے جب تو عظمت بڑھ گئی دنیا میں انساں کی
وہ آئے جب تو انساں کو فرشتوں کے سلام آئے
خدا شاہد ہے یہ ان کے فیضِ صحبت کا نتیجہ تھا
شہنشاہ گر پڑے قدموں میں جب ان کے غلام آئے

اللہ تعالیٰ ہمیں نبی علیہ السلام کا غلام بن کر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔
(آمین ثم آمین)

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

AAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAA

﴿وَمَا أُمِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوْا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾

(البینة:۵)

اخلاص کی حقیقت

بیان: محبوب العلماء والصلحاء، زبدۃ السالکین، سراج العارفین

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 27 جنوری 2012ء بروز جمعہ، ۳ ربیع الاوّل، ۱۴۳۳ھ

موقع: بیان جمعۃ المبارک

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

اقتباس

حدیثِ مبارکہ ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص ایسے پتھر کے اندر بیٹھ کر عمل کرے جس میں کوئی دروازہ ہو نہ کوئی روشن دان ہو، تو بھی اللہ تعالیٰ اس بندے کے عمل کو لوگوں پر ظاہر کر دے گا، چاہے عمل جیسا بھی ہو۔ تو ہمارا کام ہے چھپ کر عمل کرنا۔ اللہ تعالیٰ اس چھپے عمل کے نور کو چہرے پہ سجا دیتے ہیں۔ لوگ چہرے کو دیکھتے ہیں تو اللہ ان کے دلوں میں محبتیں ڈال دیتے ہیں۔

عجیب بات ہے کہ ریاکار بندے کی تعریف کوئی نہیں کرتا۔ جو جتنا چھپاتا ہے، مخلص ہوتا ہے، اللہ اس کی تعریفیں اور زیادہ کرواتا ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

اخلاص کی اہمیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o
﴿وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ (البينة:۵)
وَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ مَقَامٍ اٰخَرَ
﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ﴾ (الزمر:۳)
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

کلمہ طیبہ کے دو اجزا...... اخلاص اور صدق:

دین اسلام کا پہلا کلمہ، کلمہ طیبہ کہلاتا ہے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اس کے دو حصے بنتے ہیں۔

پہلا جزو:

پہلا حصہ ہے: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ”نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے“۔ معنی یہ ہیں کہ تمام محبتوں کی انتہا فقط اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہے، نہ کوئی محبوب اس کے علاوہ ہے، نہ مقصود اس کے علاوہ ہے، نہ معبود اس کے علاوہ ہے۔ انسان کے دل میں جو

محبتوں کی انتہا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہے۔ قرآن مجید نے یوں کہا:

﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرۃ:۱۶۵)

''ایمان والوں کو اللہ رب العزت سے شدید محبت ہوتی ہے''

تو شدید محبت عبادت کہلاتی ہے کہ انسان بے اختیار اپنے محبوب کے قدموں پہ اپنا سر رکھ دے۔ محبوب کو اپنا معبود بنا لے۔ تو ہم نے جو کلمہ پڑھا اس میں اللہ رب العزت سے یہ عہد کیا کہ اے اللہ! ہمارے دلوں میں جو محبتوں کی انتہا ہے وہ فقط تیری ذات کے لیے ہے۔ ؎

تیرے سوا محبوبِ حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں
تیرے سوا مشہودِ حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں
تیرے سوا محبوبِ حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں
تیرے سوا معبودِ حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا للّٰـهُ کا معنی ہے کہ ہماری تمام محبتیں اور چاہتیں فقط اللہ رب العزت کی ذات کے لیے ہیں۔ اس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ اگر کسی اور سے محبت ہے تو اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ہے۔ اس کو کہتے ہیں اخلاص۔ اخلاص کا معنی ہے: خالص اللہ کے لیے۔ جو محبت ہو، وہ اللہ کی وجہ سے ہو۔

دوسرا جزو

پھر آگے ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ ''محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں''۔ اس کا معنی یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جو پیغام اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے، جو شریعت لے کر آئے، ہم اس کے سامنے اپنا سر جھکاتے ہیں اور اس کے اوپر سو فیصد عمل کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ اس کو تصدیق کہتے ہیں۔

گویا کلمہ کا پہلا حصہ اخلاص اور دوسرا حصہ تصدیق۔اس کلمہ طیبہ میں صدق اور اخلاص......دو چیزیں ملی ہوئی ہیں۔

شرک اور بدعت:

اگر اخلاص کے خلاف کوئی چیز ہوگی تو وہ شرکِ خفی کہلائے گی۔مثلاً: ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہے،مگر چاہتا ہے کہ لوگ دیکھیں کہ میں کیسی عمدہ نماز پڑھ رہا ہوں۔اب یہ اللہ کے لیے نہیں پڑھ رہا، دکھانے کے لیے پڑھ رہا ہے۔اس نے اللہ کی محبت میں مخلوق کو شریک کرلیا۔تو اخلاص کے بالمقابل کیا چیز بنے گی؟ شرکِ خفی بنے گا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل سنت کہلاتا ہے اور سنت کے بالمقابل جو چیز ہوتی ہے وہ بدعت کہلاتی ہے۔ان دونوں چیزوں سے ہمیں بچنا ضروری ہے۔شرکِ خفی سے بھی بچنا ہے اور بدعتِ ضلالہ سے بھی بچنا ہے۔ہوسکتا ہے کہ ایک بندہ بدعت پر بڑے اخلاص کے ساتھ عمل کر رہا ہو،مگر یہ اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوگا، چونکہ سنت کے خلاف ہے۔

تو ہر عمل کے اندر دو چیزیں دیکھی جائیں گی: اخلاص بھی دیکھا جائے گا اور یہ بھی دیکھیں گے کہ وہ سنت کے مطابق ہے یا نہیں۔

اخلاص کیا ہے؟

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اخلاص کی تعریف یوں کی ہے:

هُوَ اِفْرَادُ الْحَقِّ بِالْقَصْدِ فِي الطَّاعَةِ (مدارج السالکین:۲/۹۱)

اللہ تعالیٰ کی اطاعت جو انسان کرتا ہے اس میں صرف اللہ کو راضی کرنے کی نیت ہو، کسی اور کی طرف دھیان نہ ہو، کسی کا شائبہ بھی نہ ہو، اس کو اخلاص کہتے ہیں۔

اور تین وجوہات سے اخلاص ضائع ہوتا ہے۔

① جلبِ منفعت:

ایک تو یہ کہ انسان کو کبھی دنیا کا نفع چاہیے ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے وہ دکھاوا کرتا ہے۔ مثلاً: لوگ مجھے بزرگ سمجھیں، مجھے ہدیے دیں، تحفے دیں، میرے عقیدت مند بنیں، اس کو کہتے ہیں ''جلبِ منفعت'' یعنی انسان نفع لینے کی خاطر لوگوں کو دکھاوا کرے۔

② تعریف چاہنا:

دوسری چیز ہے کہ انسان کا نفس انانیت سے بھرا ہوا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ بس میری تعریفیں ہوں۔ مثلاً: بڑی بنا سنوار کر نماز پڑھ رہا ہے، لیکن دل میں یہ بات ہو کہ لوگ کہیں گے کہ کتنی عمدہ نماز پڑھتا ہے۔ یعنی اگر لوگوں کی تعریف کی نیت دل میں ہو یہ بھی شرک خفی ہوا کرتا ہے۔

③ برتری کا لوہا منوانا:

تیسری چیز کہ لوگوں پر برتری کا اظہار کرنا۔ مثلاً: جیسی نماز میں پڑھتا ہوں، آج کے وقت میں کوئی دوسرا ایسا پڑھنے والا نہیں رہا۔

تو عام طور پر یہ تین وجوہات ہوتی ہیں، جن کی وجہ سے انسان عبادت کے اندر دکھاوا کرتا ہے اور اخلاص کو ضائع کر بیٹھتا ہے۔

اخلاص کی علامات

لیکن جو مخلص انسان ہو اس کے عمل سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مخلص ہے۔ ہمارے مشائخ نے اخلاص کی علامات بتائی ہیں۔

①......عمل پر استقامت:

پہلی علامت یہ کہ جو بندہ مخلص ہوتا ہے وہ مداومت اور استقامت کے ساتھ اپنا عمل کرتا رہتا ہے۔ کوئی دیکھے یا نہ دیکھے، قریب ہو یا نہ ہو، وہ اپنے کام میں لگا رہتا ہے۔ اس لیے کہ وہ بندوں کی وجہ سے نہیں کر رہا ہوتا، بلکہ وہ اللہ کے لیے کر رہا ہوتا ہے۔

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ کہیں بیان فرمایا۔ جب بیان ختم ہوا تو مجمع چلا گیا۔ ایک بندہ سفر میں ذرا لیٹ ہو گیا تھا، دیر سے پہنچا۔ کہنے لگا: حضرت! مجھے راستے میں رکاوٹ پیش آ گئی، میں آپ کے بیان سے محروم رہ گیا۔ فرمانے لگے: کوئی بات نہیں، میں تجھے پھر سنا دیتا ہوں۔ چنانچہ پورا بیان من وعن جیسے پہلے مجمع کے سامنے کیا تھا، اس ایک بندے کو بھی اسی طرح سنا دیا۔ کسی نے کہا: جی وہ تو مجمع تھا، یہ اکیلا تھا، آپ نے اکیلے بندے کی خاطر بھی بیان کر دیا؟۔ فرمایا: میں اُس وقت بھی خدا کو سنا رہا تھا اور اِس وقت بھی خدا کو سنایا ہے۔

اخلاص کی علامت یہ ہے کہ ایسا بندہ مداومت اور استقامت کے ساتھ عمل کرتا ہے، یہ نہیں کہ کوئی قریب ہے تو تہجد بھی اٹھ کے پڑھ رہا ہے اور اگر کوئی نہیں تو پھر فجر میں بھی اٹھنا مشکل ہو رہا ہے۔

۲..... عمل کو چھپانے کا استحضار:

دوسری علامت یہ کہ دل میں اس بات کا استحضار رہے کہ پوشیدہ عمل کا اجر اعلانیہ عمل کی بہ نسبت زیادہ ہے۔ عام حالات میں بندے کے اعمال نامے کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک حصہ وہ جس کو لوگ جانتے ہیں اور ایک وہ ہوتا ہے جو بندے اور اس کے پروردگار کے درمیان ہوتا ہے۔ کوئی اور نہیں جانتا۔ گویا خفیہ حصے کا اجر زیادہ ہوتا ہے بہ نسبت اعلانیہ کے۔

جس بندے کو ہر وقت یہ خیال رہے گا وہ اپنے عمل کو چھپائے گا اور ظاہر نہیں ہونے دے گا کہ ایسا نہ ہو کہ اجر کم ہو جائے یا اجر ضائع ہو جائے۔ اور اگر احساس ہی نہیں تو پھر بات کرتے ہوئے بھی اپنے عمل کا اظہار کر دے گا۔ مثلاً کہے گا: میں جب چوتھی دفعہ حج پر گیا تو پھر یہ پیش آیا۔ بھئی! آپ نے کہنا ہی تھا کہ حج پہ گیا تو یہ ''چوتھی دفعہ'' کا لفظ کیوں لگایا؟ یہ ریاکاری ہوتی ہے۔

۳..... مخلوق کے سامنے شکووں سے پرہیز:

اخلاص کی تیسری علامت یہ کہ جو اہلِ اخلاص ہوتے ہیں وہ حالات کے سخت ہونے پر لوگوں کے سامنے شکایتیں نہیں کرتے۔ ایسا نہ ہو کبھی اس کو بتائیں کہ میرا بیٹا بیمار ہے، کبھی اس کو کہیں کہ جی بچے کو نوکری نہیں مل رہی۔ بھئی! حالات اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں، ہر انسان کے ساتھ خوشی غمی لگی ہوئی ہے۔ جب اچھے حالات تھے تو اللہ کی تعریفیں کرنے کا موقع نہ ملا، اب اگر کوئی سختی آ گئی تو ہر ایک کے سامنے حالات کا رونا کیوں؟ اور جو استقامت والے ہوتے ہیں، اخلاص والے ہوتے ہیں وہ اللہ کی شکایت مخلوق کے سامنے نہیں کرتے۔

رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا اللہ کی نیک بندی تھیں۔انہوں نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ سر پہ پٹی باندھی ہوئی تھی۔ پوچھا: بیٹے ! کیا ہوا؟ وہ کہنے لگا جی! سر درد ہو رہا ہے۔ پوچھا: پہلے کبھی ہوا؟اس نے کہا: کبھی بھی نہیں ہوا۔کہا: تیری عمر کتنی ہے؟نوجوان جواب دیتا ہے: ستائیس سال۔انہوں نے کہا: ستائیس سال تجھے سر درد نہیں ہوا تو تُو نے شکر کی پٹی تو کبھی نہ باندھی، آج پہلی مرتبہ درد ہوا تو شکوے کی پٹی تو نے فوراً باندھ لی۔ اللہ اکبر کبیرا!

شکوہ فقط اللہ کے سامنے:

عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ رب العزت کی طرف سے یہ بات الہام ہوئی:

''عطا! میرے بندوں سے کہہ دو کہ تمہیں اپنے رزق میں ذرا سی کوئی کمی ہوتی ہے تو لوگوں کی مجلس میں بیٹھ کر تم میرے شکوے شروع کر دیتے ہو، جبکہ تمہارا نامۂ اعمال میرے پاس گناہوں سے بھرا ہوا آتا ہے، میں فرشتوں کی مجلس میں کبھی تمہارے شکوے نہیں کیا کرتا۔''

بھئی! انسان نے اگر شکوے کرنے ہی ہیں تو اللہ کے سامنے کرے۔ جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا تھا:

﴿اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾(یوسف:۸۶)

''میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت فقط اللہ کے سامنے کرتا ہوں''

مخلوق کے سامنے شکوے کرنے کا کیا فائدہ؟

④......ثواب کی امید فقط اللہ سے:

پھر ایک علامت یہ بھی ہے کہ جو مخلص آدمی ہوتا ہے اس کو ثواب کی امید اللہ تعالیٰ ہی سے ہوتی ہے۔ وہ مخلوق سے تعریف نہیں چاہتا کہ لوگ میری تعریفیں کریں گے، لوگوں میں میری وقعت بنے گی، لوگوں سے مجھے نفع یا عہدہ ملے گا۔ نہیں، وہ فقط اللہ سے ہی اجر کی امید رکھتا ہے۔

⑤......اخلاص پر فقط اللہ گواہ:

اخلاص ایسا عمل ہے کہ اس پر صرف اللہ تعالیٰ گواہ ہوں گے۔ اس پر فرشتے بھی گواہ نہیں بن سکتے، کیونکہ یہ دل کا معاملہ ہے۔

حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ جب کوئی بندہ عمل کرتا ہے تو فرشتے اسے لے کر آسمان پہ جاتے ہیں۔ پہلے آسمان کا دروازہ بند ہوتا ہے۔ اس کا فرشتہ پوچھتا ہے: کیا لے کر جا رہے ہو؟ وہ کہتا ہے: میں عمل لے کر جا رہا ہوں۔ وہ کہتا ہے: مجھے چیک کرواؤ۔ وہ اس میں سے دیکھتا ہے اس میں اخلاص ہے یا نہیں۔ اگر اخلاص ہوتا ہے تو اس کو کھول دیتا ہے، نہیں تو نہیں کھولتا۔ پھر دوسرے آسمان پہ...... پھر تیسرے پہ...... ہر ہر آسمان پہ چیکنگ ہوتی ہے۔ جب آخری آسمان سے اللہ کے حضور پیش ہوتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ خود اس عمل کو دیکھتے ہیں۔ اگر سو فیصد اخلاص ہوتا ہے تو اس کو قبول کر لیتے ہیں اور اگر کسی معاملے میں ذرا سا بھی دکھاوا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس عمل کو کرنے والے کے منہ پر واپس مار دیتے ہیں کہ تو نے میرے ساتھ کسی اور کو شریک کیوں کیا؟ لے جا اسی سے اجر پا جس کے لیے کیا تھا۔ میرے پاس تیرا کوئی اجر نہیں۔

اخلاص کے درجات

اخلاص کے مختلف درجات ہیں۔

ادنیٰ درجہ:

ایک ادنیٰ درجہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان خالی الذہن ہو کر عمل کرے۔ نہ مخلوق کا خیال ہو، نہ کسی اور کا خیال، بس خالی ذہن ہو کر عبادت کرے۔ یہ بھی اخلاص کی علامت ہے۔

اعلیٰ درجہ:

اخلاص کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی سوچ کے ساتھ عبادت کرے۔

اخلاص کے بڑے ثمرات ہیں۔

① حلِ مشکلات:

جو انسان مخلص ہوتا ہے اللہ اس کا مددگار ہوتا ہے۔ اس کی تمام مشکلات کو اللہ تعالیٰ خود حل فرماتے ہیں۔ اس کی طرف سے اللہ تعالیٰ دفاع فرماتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (الحج:۳۸)

’’ایمان والوں کی طرف سے اللہ مدافعت کرتا ہے‘‘

اب بتائیں کہ جس کا دفاع اللہ تعالیٰ خود فرمائیں، کوئی اس کو گزند پہنچا سکتا ہے؟

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

امرا سمجھتے ہیں کہ ہم مال پیسے کے ذریعے سب مشکلات کو حل کرلیں گے۔ تو امرا کی مشکلات فلوس کے ذریعے حل ہوتی ہیں اور فقرا کی مشکلات خلوص کے ذریعے حل ہوتی ہیں۔

۲ رفعِ درجات:

پھر اخلاص کی وجہ سے بندے کے درجات بڑھتے ہیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے: اگر کسی بندے کے دل میں شہادت کی تمنا ہے اور وہ اپنے بستر کے اوپر مرے گا تو اس اخلاص کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے شہدا کی قطار میں شامل فرمائیں گے۔ (کنز العمال، رقم: ۱۱۲۱۱-۱۱۲۱۲)

۳ فتن سے نجات:

جو بندہ مخلص ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فتنوں سے اس کی حفاظت فرماتے ہیں۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کو گناہ کی طرف بلایا گیا:

﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاٰى بُرْهَانَ رَبِّهٖ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ﴾ (یوسف: ۲۴)

"تحقیق اس نے ان کا ارادہ کیا تھا اور یوسف علیہ السلام نے بھی ارادہ کرلیا ہوتا اگر وہ اپنے رب کی نشانی کو نہ دیکھ لیتے اسی طرح ہم نے ان سے برائی اور بے حیائی کو دور کرلیا اور وہ تو ہمارے خالص بندوں میں سے تھے"

اللہ تعالیٰ برہان دکھا دیتے ہیں، بچا لیتے ہیں اپنے بندوں کو۔ کیوں بچایا اپنے بندے کو؟ فرمایا:

﴿ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴾ (یوسف:۲۴)

''وہ میرے مخلص بندوں میں سے تھا''

تو یہ اللہ کا کتنا بڑا انعام ہے کہ مخلص بندے پہ کوئی ایسا فتنہ اور آزمائش آنے بھی لگے تو اللہ اس کی حفاظت فرما دیتے ہیں۔

④ گناہ معاف:

مخلص بندے کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بندہ تھا، اس نے سو انسانوں کو قتل کیا تھا۔ پھر اسے ندامت ہوئی تو وہ سچی توبہ کی نیت سے گھر سے چل پڑا۔ راستے میں اس کو موت آ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس بندے کے گناہوں کی بخشش فرما دی۔ (بخاری، رقم:۳۴۷۰)

ایک شخص نے پیاسے کتے کو پانی پلایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرما دی۔

(بخاری، رقم:۶۰۰۹)

تو مخلص بندے کے قتل جیسے بڑے جرائم بھی اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔

⑤ اعمال پر اجر زیادہ:

مخلص بندے کو اجر دوسروں کی نسبت زیادہ دیا جاتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

''میرے صحابہ میں سے اگر کوئی ایک مد جَو خرچ کر دے تو بعد میں آنے والا کوئی احد پہاڑ کے برابر سونے کو بھی خرچ کر دے تو ان کے برابر اجر نہیں پا

سکتا'' (بخاری، رقم:۳۶۷۳)

کیونکہ بعد میں اخلاص کا وہ معیار ہو ہی نہیں سکتا۔

آپ نے دنیا میں دیکھا ہوگا، آم کی ایک گٹھلی ہوتی ہے، اس کو زمین میں دفن کیا جاتا ہے تو ایک درخت نکلتا ہے اور اس درخت پر ہزاروں آم لگتے ہیں اور ہر آم میں گٹھلی ہوتی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ ایک گٹھلی سے ہزاروں گٹھلیاں بنا دیتے ہیں اسی طرح مخلص بندے کی ایک نیکی سے اللہ تعالیٰ نیکیوں کو پال لیا کرتے ہیں۔ فرمایا: ان کی نیکیوں کو اس طرح پالا جاتا ہے جیسے لوگ اپنے جانوروں کو پالا کرتے ہیں۔ تو قیامت کے دن مخلص بندے کو اس کے اعمال پر بہت زیادہ اجر عطا کیا جائے گا۔

⑥ عطائے حکمت:

مخلص بندے کو اللہ تعالیٰ حکمت عطا فرماتے ہیں۔ لہٰذا فرمایا:

﴿وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ (البقرۃ:۲۶۹)

''جس کو حکمت عطا ہو اس کو خیر کثیر عطا ہوتی ہے''

ایک حدیث مبارکہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص اخلاص کے ساتھ چالیس دن عبادت کرتا ہے اس کے قلب سے زبان پر حکمت کے چشمے جاری ہو جاتے ہیں۔'' (کنز العمال، رقم:۵۲۷۱)

تو اس بندے کو جو اخلاص کے ساتھ عمل کر رہا ہوتا ہے، حکمت نصیب ہو جاتی ہے۔

⑦ نقد تعریفیں:

مخلص بندہ جو اپنے اعمال مخلوق سے چھپاتا ہے، یہ نہیں کہ اس کی تعریف کوئی

نہیں کرتا۔ نہیں! اللہ مخلوق کی زبانوں پہ اس کی تعریفیں بھی جاری فرما دیتے ہیں۔ اسی لیے اپنی خواہش کے بغیر اگر کوئی تعریف کرے تو اس کو اللہ کی نعمت سمجھیں۔ اس کو ''عاجلہ'' کہا گیا۔ عاجلہ کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں جس عمل کا اجر ملنا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نمونے کے طور پر تھوڑا سا اجر دنیا میں ہی دے دیتے ہیں۔ لوگوں کے دل میں محبت ڈال دی، عقیدت ڈال دی، لوگوں کے دل میں تعریف کا جذبہ ڈال دیا، لوگ قربان ہو رہے ہوتے ہیں۔ یہ چیز ''عاجلہ'' کہلاتی ہے۔

حدیثِ مبارکہ ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص ایسے پتھر کے اندر بیٹھ کر عمل کرے جس میں کوئی دروازہ نہ ہو، نہ کوئی روشن دان ہو، تو بھی اللہ تعالیٰ اس بندے کے عمل کو لوگوں پر ظاہر کر دے گا چاہے عمل جیسا بھی ہو (کنز العمال: ۵۲۷۴)۔

تو ہمارا کام ہے چھپ کر عمل کرنا۔ اللہ تعالیٰ اس چھپے عمل کے نور کو چہرے پہ سجا دیتے ہیں۔ لوگ چہرے کو دیکھتے ہیں تو اللہ ان کے دلوں میں محبتیں ڈال دیتے ہیں۔

عجیب بات ہے کہ ریاکار بندے کی تعریف کوئی نہیں کرتا۔ جو جتنا چھپاتا ہے، مخلص ہوتا ہے، اللہ اس کی تعریفیں اور زیادہ کرواتا ہے۔ تو تعریفیں کروانے کے لیے دکھانے کی ضرورت نہیں ہے، چھپانے کی ضرورت ہے۔

یہاں پر ایک مسئلہ اور بھی ہے کہ حدیث مبارکہ میں ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

''جو بندہ تمہارے منہ پر تعریف کرے تم اس کے منہ میں مٹی ڈالو''

(کنز العمال، رقم: ۷۹۶۱)

اب بعض نوجوان اس کا بہت ہی غلط سا مفہوم سمجھ لیتے ہیں۔ وہ سمجھ لیتے ہیں کہ

اگر کسی نے تعریف شروع کی تو بس مٹی اٹھاؤ اور اس کے منہ میں ٹھونس دو۔اس کا یہ مفہوم نہیں ہے۔مشائخ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی بندہ تعریف کرے تو تم بھلے تھوڑی سی مٹی اٹھا کر زمین پر نرمی سے پھینک دو اور ان کو کہو کہ جس طرح اس مٹی کی کوئی حقیقت نہیں اسی طرح میں بھی مٹی سے بنا ہوں، میں بھی تعریف کے قابل نہیں ،تعریف کے قابل فقط اللہ رب العزت کی ذات ہے۔یوں کرنا چاہیے۔

⑧ الٹی بھی سیدھی:

جو مخلص انسان ہوتا ہے اس کی الٹی بھی سیدھی ہو جاتی ہے۔ ہمارے حضرت مرشدِ عالم رحمۃ اللہ علیہ آخری عمر میں یہی فرماتے تھے:

''ہن تے میری پٹھیاں وی سدھیاں تھی ویندیاں ہن''

''اب تو میری الٹی بھی سیدھی ہو جاتی ہے''

یعنی اگر وہ عام معمولاتِ زندگی میں کوئی قدم اٹھا لیتا ہے تو جیسا بھی ہوتا ہے اللہ اس کو کامیاب فرما دیتے ہیں۔ سچی بات یہی ہے کہ جس کی دوستی اور محبت میں خلوص پایا جائے اس کے سب ناز نخرے برداشت کر لیے جاتے ہیں۔

⑨ اخلاص سے برکت زیادہ:

جس عمل میں خلوص ہو اس عمل میں برکت بھی زیادہ ہوتی ہے۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ''موطا'' کتاب لکھی۔اسی وقت ایک اور عالم تھے انہوں نے بھی موطا کے نام سے کتاب لکھی۔ان کی کتاب سے بھی زیادہ بڑی اور موٹی لکھی۔تو کسی نے آکر امام مالک سے کہا کہ جی انہوں نے موطا لکھی ہے اور بڑی کتاب ہے تو اس موطا کی کیا ضرورت تھی؟ تو انہوں نے آگے سے جواب دیا:

مَا كَانَ لِلّٰهِ بَقِيَ

''جو اللہ کے لیے ہے وہ باقی رہے گی''

جو عمل اللہ کی رضا کے لیے ہوگا، اللہ تعالیٰ اس عمل کو ہمیشہ کے لیے دوام عطا فرمائیں گے۔ چنانچہ دوسری کتاب کا آج پتہ ہی نہیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی جو موطا امام مالک ہے، اس کو آج ہر طالبِ علم دورۂ حدیث میں پڑھا کرتا ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((اَخْلِصْ دِيْنَكَ يَكْفِكَ الْعَمَلُ الْقَلِيْلُ)) (مستدرک للحاکم، رقم:۷۸۴۴)

''اپنے دین میں اخلاص پیدا کرو تھوڑا عمل بھی تمہارے لیے کافی ہو جائے گا''

اخلاص کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقوال:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

علم کی آفت عمل کو ترک کرنے میں ہے اور عمل کی آفت اخلاص کو ترک کرنے میں ہے۔

یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

دلوں کی زینت اخلاص سے ہے اور ایمان کی زینت احسان سے ہے۔

یوں تو مسلمان سب ایمان والے کہلاتے ہیں، لیکن جس کو احسانی کیفیت حاصل ہو یہ ایمان کی زینت ہوا کرتی ہے۔

فرمایا کرتے تھے:

جو انسان آخرت کا طلب گار بنتا ہے اس میں اخلاص خود بخود آ جایا کرتا ہے۔

اخلاص کی اہمیت

احادیث سے اخلاص کی بہت اہمیت ثابت ہوتی ہے۔

نجات کا مدار علم پر:

مشکوٰۃ شریف کی روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((اَلْخَلْقُ کُلُّھُمْ ھَالِکُوْنَ اِلَّا الْعَالِمُوْنَ))

''انسان سب کے سب ہلاک ہونے والے ہیں سوائے ان کے جو عالم ہیں۔''

اس لیے کہ جہالت بربادی کا ذریعہ ہے، جہالت اندھیرا ہے اور علم روشنی ہے، علم کی روشنی ہوگی تو انسان دین میں بھی کامیاب اور دنیا میں بھی کامیاب ہوگا۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ جہالت کی وجہ سے مغلوبیت ہوتی ہے۔ آج ہم جانوروں پر کیوں غالب ہیں؟ اس لیے کہ ان کے پاس علم نہیں ہے، ہمیں اللہ نے علم دیا ہے۔ انسان ہاتھی پہ سوار، گھوڑے پہ سوار، گدھے پہ سوار ہوتا ہے، حتیٰ کہ شیروں کو بھی اپنے قابو میں کر لیتا ہے۔ اور انسانوں میں دیکھیں کہ جس کے پاس نسبتاً زیادہ علم ہے وہ دوسروں کے اوپر غالب ہے۔ تو انسانوں میں بھی جاہل مغلوب ہیں اور علم والا غالب ہے، دین کا معاملہ ہو یا دنیا کا معاملہ۔ اسی لیے تو کہتے ہیں:

''علم ایک طاقت کا نام ہے'' **Knowledge is a power**

اس طاقت کے ذریعے انسان دوسروں پہ غالب آتا ہے۔ اس لیے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: تمام انسان ہلاک ہونے والے ہیں سوائے ان کے جو عالم ہیں۔

علم کا مدار عمل پر:

پھر فرمایا:

((اَلْعَالِمُوْنَ كُلُّهُمْ هَالِكُوْنَ اِلَّا الْعَامِلُوْنَ))

''سب علم والے ہلاک ہونے والے ہیں سوائے ان کے جو عمل کرنے والے ہوں گے''

واقعی! انسان اگر عمل نہ کرے تو علم بھی ساتھ نہیں دیتا۔ ہمیں ایک ڈاکٹر صاحب ملے جو ڈاکٹر بن رہے تھے۔ بننے کے متصل اور ہی کاروبار میں پڑ گئے اور پریکٹس نہ کی۔ وہ بیچارے بھی عوام الناس کی طرح بیماری کے بارے میں دوسرے ڈاکٹروں سے بیٹھے پوچھ رہے ہوتے تھے۔ ہم نے کہا: جی! آپ بھی تو ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں۔ کہنے لگے کہ میں نے پریکٹس نہیں کی اسی لیے میں سب بھول گیا ہوں۔ جب عمل نہیں تو ڈاکٹر کا اپنا علم اس سے فارغ ہو جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ''علم، عمل کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، اگر کھل جائے تو باقی رہتا ہے ورنہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جاتا ہے''۔ تو جو انسان علم پہ عمل نہ کرے وہ اپنے علم سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کتنے لوگوں کو دیکھا، انجینئرنگ لائن کا علم حاصل کیا، کاروبار میں پڑ گئے، انجینئرنگ کا علم ہی ذہن سے نکل گیا۔ تو علم والے بھی ہلاکت میں پڑنے والے ہیں، سوائے ان کے جو عمل کرنے والے ہوں گے۔

عمل کا مدار اخلاص پر:

پھر فرمایا:

((اَلْعَامِلُوْنَ كُلُّهُمْ هَالِكُوْنَ اِلَّا الْمُخْلِصُوْنَ))

''عمل کرنے والے بھی ہلاکت میں پڑنے والے ہیں سوائے ان کے جو مخلص ہوں''

عمل بھی تب قبول ہوگا جب اس میں اخلاص ہوگا۔ بغیر اخلاص کے جتنا بڑا عمل

بھی ہو بے کار ہے۔ تو کیا فائدہ ایسے کام کا کہ ایک بندہ کسی کام پر جان لگائے، مال لگائے، وقت لگائے، لیکن ساری کوشش کا آخرت میں کچھ ثمرہ نہ ملے، بلکہ اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے ہلاکت کا باعث بنے۔

ایک حدیثِ مبارکہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں اور وہ اس حدیثِ مبارکہ کو جب نقل کرنے لگتے تھے تو کئی مرتبہ بے ہوش ہو جاتے تھے، اتنا خوف طاری ہوتا تھا۔ اس حدیثِ مبارکہ کو نقل کرتے ہوئے روتے تھے۔

اس میں تین آدمیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے حساب کے لیے ایک عالم کو پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ پوچھیں گے: تو نے کیا کیا؟ وہ کہے گا: میں نے تو علم کی بہت خدمت کی۔ اللہ فرمائیں گے: تو نے اس نیت سے کی تھی کہ تجھے بڑا عالم کہا جائے، وہ تجھے کہہ دیا گیا تھا، اب ہمارے پاس کچھ نہیں۔ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس عالم کو اوندھے منہ جہنم کے اندر ڈال دیا جائے۔

پھر اس کے بعد ایک شہید کو پیش کیا جائے گا۔ ظاہر میں دیکھو کتنا بڑا مرتبہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کہ تو نے دنیا میں کیا کیا؟ وہ کہے گا: اللہ! آپ کے نام پہ جان قربان کر دی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: نہیں! تو نے تو اس لیے کیا تھا کہ تجھے بہادر کہا جائے، بس! تجھے بہادر کہہ دیا تھا لوگوں نے، ہمارے پاس اب کچھ نہیں۔ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اوندھے منہ اس کو جہنم کے اندر داخل کر دیا جائے۔

تیسرا ایک سخی پیش ہوگا۔ بڑی مسجدیں اور مدرسے بنوائے ہوں گے، اور خیر کے کام کیے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ پوچھیں گے: تو نے کیا کیا؟ وہ کہے گا: یا اللہ! میں نے تو پورا مال آپ کے راستے میں لٹا دیا تھا۔ فرمایا: اس لیے کہ لوگ تجھے سخی کہیں، لوگوں نے سخی کہہ دیا۔ اس کو بھی جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (مسلم، رقم: ۱۹۰۵)

عالم، شہید اور سخی، تینوں بندوں کو قیامت کے دن جہنم کے اندر ڈالا جائے گا۔ قیامت کے دن سب سے پہلے نہ زنا کار پیش ہوگا، نہ قاتل پیش ہوگا نہ کسی اور گناہ والا پیش ہوگا۔ یہ نیکی والے لوگ ہیں جو اس حال میں پیش ہوں گے، اس پہ ذرا غور کرنا چاہیے۔ عالم، سخی اور شہید، ان کا حساب پہلے ہوگا۔ تو سوچیے! آج جو ہم اپنے عملوں پہ فریفتہ ہوا پھرتے ہیں اور ذہن میں لیے پھرتے ہیں کہ بس ہم نے تو جنت ہی جانا ہے، یہ تو اللہ کو معلوم ہے کہ قیامت کے دن کون سرخرو ہوتا ہے؟

اخلاص والے بھی خطرے میں:

پھر فرمایا:

((اَلْمُخْلِصُوْنَ عَلٰی خَطَرٍ عَظِيْمٍ)) (مرقاۃ المفاتیح:۱۴/۲۱۶)

''اور مخلص لوگ بھی بڑے خطرے میں ہیں''

یعنی مخلص تو ہیں، شیطان عجب اور تکبر کا اظہار کروادے تو سارے عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ غرور سے اخلاص ختم ہو جاتا ہے۔ کوئی بندہ اپنے عمل پہ بھروسہ نہیں کرسکتا۔

اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے دن سب اللہ کے فضل سے جنت میں جائیں گے۔''

صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے حبیب! آپ بھی؟

فرمایا: ہاں! میں بھی۔

((اِلَّآ اَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ)) (صحیح البخاری، رقم:۵۹۸۲)

''البتہ اللہ مجھے اپنی رحمت کے سائے میں ہی رکھیں گے''

جس پر اللہ کی رحمت ہو جائے گی بس وہ جنت میں چلا جائے گا۔ ورنہ بندہ اپنے

عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جا سکتا۔ اب اگر کوئی کہے جی کہ عمل کی وجہ سے کیوں نہیں جا سکتا؟ تو یاد رکھیں کہ بھئی! جب اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمادیا:

((مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ))

"(اے اللہ!) ہم نے آپ کی عبادت نہیں کی جیسے عبادت کرنے کا حق تھا"

اللہ کے حبیب ﷺ جب یہ اقرار فرماتے ہیں تو ہماری باتیں کس کام کی؟ ہم کس کھیت کی گاجر مولی ہیں؟

بھروسہ اللہ کے فضل پر ہو، عمل پر نہیں:

اس لیے عمل کریں، مگر اللہ کے فضل پر نظر رکھیں، عمل پہ نظر نہ رکھیں۔ ہم ناپ تول کے قابل نہیں ہیں۔ کون ہے جو اپنے آپ کو اللہ کے سامنے ناپ تول کے لیے پیش کرے؟

جب ہم بہت چھوٹے تھے تو اپنے والدین سے ایک حکایت سنا کرتے تھے۔ ایک آدمی بڑا انصاف پسند اور بڑا امین تھا۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ گھوڑے پر جا رہا تھا اور ایک گندم کے کھیت کے پاس سے گزرا تو اس کے گھوڑے کی زین کے ساتھ گندم کا ایک سٹہ پھنس گیا۔ جب وہ گھر پہنچا تو اس نے کہا کہ مجھے تو پتہ نہیں کہ کس کے کھیت سے یہ سٹہ ٹوٹا اور گھوڑے کی زین میں پھنسا۔ اس نے بیوی سے کہا کہ تم ایسا کرو کہ اس کی گندم کو سنبھال کر رکھ لو، جب میں فوت ہوں گا تو میرے کفن کے ساتھ یہ بھی رکھ دینا، تاکہ قیامت کے دن اگر کوئی بندہ مطالبہ کرے گا تو میں گندم کے دانے واپس کر دوں گا۔ وہ فوت ہوا تو اللہ کے حضور پیشی ہوئی، پوچھا: تم نے تو فلاں کا سٹہ بغیر اجازت کے لیا تھا۔ اس نے کہا: اللہ! میں یہ گندم ساتھ لے کے آیا ہوں۔ فرمایا: گندم تو لائے ہو، بھوسہ کدھر ہے؟...... تو کوئی بندہ ہے جو اپنے آپ کو پیش کر سکے؟

ایک آدمی قتل کے جرم میں پکڑا گیا۔ اس نے قتل کیا نہیں تھا۔ ہمیشہ دعا مانگتا تھا، اللہ انصاف کر دے۔ لوگ سمجھاتے: بھئی! اللہ سے تم فضل مانگو۔ کہتا تھا: میں نے قتل نہیں کیا، میں اللہ سے انصاف مانگتا ہوں۔ وہ پھانسی چڑھ گیا۔ خواب میں کسی کو نظر آیا۔ اس نے کہا: تم تو کہتے تھے کہ انصاف مانگتا ہوں، پھر کیوں پھانسی چڑھ گئے؟ کہنے لگا: ہاں! اللہ کے حضور پیشی ہوئی تو عرض کیا: یا اللہ! میں نے قتل تو نہیں کیا تھا۔ فرمایا کہ ہاں! تو نے اس بندے کو تو قتل نہیں کیا تھا، مگر ایک مرتبہ تیرے پاؤں کے نیچے آ کر ایک چیونٹی مر گئی تھی، وہ بھی تو ایک جان تھی، ہم نے اس چیونٹی کے بدلے تجھے پھانسی چڑھا دیا۔

تو کون ہے جو اپنے آپ کو پیش کرے کہ اے اللہ! میں حساب دینے کے قابل ہوں۔ عمل کریں اس لیے کہ عمل کرنے والے لوگوں کو جنت میں بھیجا جائے گا، مگر نظر کس پر رکھیں؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر اور اللہ کے فضل پر نظر رکھیں۔

اخلاص کی برکت سے مصیبت سے نجات:

جو مخلص بندہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو مصیبتوں سے نجات عطا فرما دیتے ہیں۔ حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ بنی اسرائیل کے تین آدمی سفر پر جا رہے تھے۔ بارش آئی تو وہ ایک غار میں چلے گئے۔ ایک بڑی چٹان لڑھکتی ہوئی آئی اور وہ غار کے دروازے پر آ کر ٹک گئی۔ اب یہ نکل نہیں سکتے تھے۔ بڑا زور لگا لیا، حتیٰ کہ ان کو یقین ہو گیا کہ اب ہمیں موت سے کوئی نہیں روک سکتا۔ دل میں خیال آیا کہ اللہ سے دعا مانگو۔ انہوں نے کہا کہ چلو، اپنا کوئی عمل اللہ کے حضور پیش کرتے ہیں، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ کو عمل پسند آ جائے اور اللہ اپنے فضل سے اس چٹان کو نیچے کر دے۔

ان میں سے ایک نے اپنا عمل پیش کیا کہ میں نے ایک مرتبہ اپنے والدین کو

دودھ پیش کرنا تھا اور وہ سو گئے تھے تو میں کھڑا رہا، کھڑے کھڑے صبح ہو گئی، میرے والدین کی آنکھ کھلی اور انہوں نے مجھ سے دودھ مانگا تو میں نے پیش کیا۔ اللہ! والدین کی خدمت میں جو ساری رات کھڑا رہا، اگر یہ عمل قبول ہے تو اس کو ہٹا دیجیے۔ تیسرا حصہ چٹان کا نیچے سرک گیا۔

پھر دوسرے کی باری آئی۔ اس نے کہا: یا اللہ! ایک مزدور نے مزدوری کی تھی اور بغیر مزدوری لیے چلا گیا تھا۔ میں نے اس کی مزدوری سے ایک بکری خرید لی۔ وہ بڑھتی رہی بڑھتی رہی حتیٰ کہ ریوڑ بن گیا۔ بہت عرصے کے بعد وہ لینے آیا۔ اللہ! میں نے سارا ریوڑ تیری رضا کے لیے اس کے حوالے کر دیا تھا۔ اگر یہ عمل قبول ہے تو اللہ! اس مصیبت سے نجات عطا فرمائیے۔ چٹان اور نیچے آ گئی۔

تیسرے نے کہا: یا اللہ! تو جانتا ہے کہ میری ایک چچا زاد بہن تھی اور میری طبیعت اس کے عشق میں بہت زیادہ مبتلا تھی۔ میں نے اس سے گناہ کا ارادہ کیا۔ اس نے کہا کہ تم مجھے اتنے پیسے دو گے تو پھر میں تمہاری بات مانوں گی۔ اپنی طرف سے اس نے جان چھڑوانے کے لیے اتنی رقم بتا دی تھی جو میرے پاس ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ میں نے اس بات کو دل میں رکھ لیا اور میں نے محنت کرنی شروع کر دی۔ کافی عرصے کے بعد میں نے اتنی رقم جمع کر لی جو اس نے کہی تھی۔ اب میں نے اسے کہا کہ تم نے مجھ سے جو بات کی تھی وہ میں نے پوری کر دی ہے، لہٰذا اب اپنا وعدہ پورا کرو۔ جب میں گناہ کے لیے بالکل تیار ہو گیا تو میں نے دیکھا کہ اس کے جسم پہ خوف کی وجہ سے کپکپی طاری تھی۔ میں نے پوچھا کہ تم کیوں اتنی خوف زدہ ہو رہی ہو؟ اس نے کہا: میں نے زندگی میں کبھی یہ عمل نہیں کیا، تم اللہ کی مہر کو کیوں توڑتے ہو؟ اس کے ان الفاظ نے میرے دل پہ ایسا اثر کیا کہ میں نے اسے پیسے بھی دے دیے اور گناہ کا

ارادہ بھی ترک کر دیا۔ اللہ! یہ عمل اگر قبول ہے تو چٹان ہٹا دیجیے۔ چٹان پوری ہٹ گئی اور اللہ نے ان تینوں کو نجات عطا فرما دی۔ (بخاری، رقم ۲۲۱۵)

منجیات اور مہلکات:

اب ذرا غور کیجیے کہ ایک حدیث میں تین بندوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے ریاکاری کی اور بڑے بڑے عمل لے کر آئے، مسجدیں بنوائیں، علم پھیلایا، اللہ کے راستے میں جہاد کیا، مگر ریاکاری کی وجہ سے ان تینوں کو جہنم میں ڈالا گیا۔ اور دوسری حدیث میں ان تین بندوں کا تذکرہ کہ جنہوں نے انفرادی عمل پیش کیے جو اللہ کی رضا کے لیے کیے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کے عملوں کو قبول کر کے نجات عطا فرما دی۔ تو جو عمل اللہ کے لیے ہوتے ہیں وہ منجیات میں سے ہوتے ہیں اور جو عمل دکھاوے کے لیے ہوتے ہیں وہ مہلکات میں سے ہوتے ہیں۔

اخلاص کیسے حاصل ہو؟

اب اخلاص حاصل کیسے کریں؟ یہ ایک سوال ذہن میں آتا ہے۔ اخلاص حاصل کرنے کے لیے چند امور کا خیال رکھیں۔

① تصحیحِ نیت:

ہمارے مشائخ نے لکھا ہے کہ جب بھی کوئی کام کرنا ہو تو بندہ کام کی ابتدا میں اپنی نیت کو دیکھے۔ میں اللہ کو راضی کرنا چاہتا ہوں یا مخلوق کو دکھانا چاہتا ہوں اور اس کی تعریفیں چاہتا ہوں۔ اگر کوئی نیت کا فساد نظر آئے تو اس کو ختم کر لے اور اپنی نیت کو خالص اللہ کے لیے کر لے۔ اس طرح اس کو اخلاص کے ساتھ عمل کی توفیق نصیب

ہو جائے گی۔

بعض بزرگ فرماتے تھے کہ ہم نے اپنے شیخ کی خدمت میں آٹھ سال رہ کر نیت کو ٹھیک کرنا سیکھا۔ ہر کام میں نیت کو کیسے ٹھیک کرتے ہیں؟ یہ نیت عجیب چیز ہے۔ نیت کے بدلنے سے عمل کا انداز بدل جاتا ہے۔ مسئلے کی بات سن لیجیے!

علما نے لکھا ہے کہ

اسی طرح ایک بندے نے کسی سے قرض لیا اور نیت یہ تھی کہ میں قرض واپس نہیں دوں گا تو یہ قرضہ نہ ہوگا بلکہ یہ سرقہ ہوگا۔ یہ اس کی چوری ہوگی۔

اگر کوئی بندہ اپنی بیوی کے ساتھ وقت گزارتا ہے اور ذہن میں تصور کسی غیر محرم کا کر لیتا ہے تو اس کو بھی ثواب کے بجائے الٹا گناہ ملے گا۔

اس نیت کی طاقت ذرا دیکھیے کہ کہیں ایک مسجد بنی ہوئی تھی اور مسجد کے بالکل قریب کسی نے گندگی کا ڈھیر لگایا ہوا تھا جہاں نجاست پڑی رہتی تھی۔ مسجد والوں نے سوچا کہ مسجد چھوٹی ہے اس کو ہم Extend (بڑا) کرتے ہیں۔ اب گندگی کے ڈھیر کو ہٹا کر مسجد کو بڑھا دیا۔ وہ جگہ جہاں پہلے گندگی پڑی تھی اب وہ اللہ کا گھر بن گئی۔ یہ نیت کیا عجیب چیز ہے کہ گندگی کے ڈھیر کی جگہ کو یہ مسجد کے حکم میں شامل فرما دیتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ نیت کے اندر طاقت ہے۔ اس لیے عمل کرنے سے پہلے اس کی نیت کو دیکھیں۔ اور درمیان میں بھی نیت پر نظر رکھیں کہ کہیں بدل تو نہیں رہی۔ اس سے پھر انسان اخلاص کے ساتھ عمل کر لیتا ہے۔

② اہل اللہ کی صحبت:

دوسری بات یہ ہے کہ اہل اللہ کی صحبت اختیار کرے۔ اس سے اخلاص ملتا ہے۔ اس کی دلیل قرآن عظیم الشان میں سے۔ اللہ تعالیٰ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرماتے

ہیں:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح:۲۹)

''اللہ کے نبی (علیہ السلام) اور جولوگ ان کے ساتھ ہیں، کافروں پر تو سخت ہیں اور آپس میں بہت نرم خو''

پھر اللہ ان کی آگے تعریف فرماتے ہیں:

﴿سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ﴾ (الفتح:۲۹)

تو ان صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا﴾ (الفتح:۲۹)

''یہ اپنی عبادت سے اللہ کا فضل اور اللہ کی رضا مانگتے ہیں۔''

تو صحابہ کو رضائے الٰہی اور اخلاص کے ساتھ عمل کرنے کا سرٹیفکیٹ اللہ تعالیٰ قرآن میں خود عطا فرما رہے ہیں۔ یہ سرٹیفکیٹ کیوں ملا؟ صحبت کی وجہ سے ملا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر بندہ مخلص بننا چاہتا ہے تو جو اہلِ اخلاص ہوں ان کی صحبت میں رہے۔ جب رنگ چڑھے گا تو اس کو بھی اخلاص کے ساتھ عبادت کی توفیق مل جائے گی۔

③ اللہ سے دعا مانگنا:

تیسری بات یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگے۔ جب اللہ تعالیٰ سے مانگے گا تو اللہ تعالیٰ اخلاص عطا فرما دیں گے۔ احادیث میں دعائیں بھی منقول ہیں۔ ایک دعا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ (الجامع لکبیر للسیوطی، رقم:۱۹۸)

ایک دعا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ وَ مَا قَرَّبَ اِلَیْھَا مِنْ قَوْلٍ اَوْ عَمَلٍ

(مسند ابی یعلی، رقم:۴۴۷۳)

ان دعاؤں کو بھی یاد کریں اور اللہ سے مانگیں کہ اللہ! مجھے اخلاص کے ساتھ اعمال کرنے کی توفیق عطا فرما دیجیے۔ اس طرح سے انسان کو اخلاص نصیب ہو جاتا ہے۔

اکابر کے اخلاص کے چند واقعات

ہمارے مشائخ میں بہت اخلاص والے حضرات گزرے ہیں۔ ذرا چند ایک واقعات سناتا ہوں، تاکہ نمونہ کے طور پر یہ دکھا دیا جائے کہ مخلص لوگ کیسے ہوا کرتے ہیں؟

دو علما کا اخلاص پر مبنی اختلاف:

دو علما تھے، ایک تھے مولوی تراب علی رحمۃ اللہ علیہ جو مولودِ متعارفہ کے حامی تھے۔ اور ایک مفتی سعد الدین رحمۃ اللہ علیہ رام پوری تھے، وہ اس کو منع کرتے تھے۔ اُن کی نظر میں یہ عمل ٹھیک تھا، وہ کرتے تھے اور اِن کی نظر میں ٹھیک نہیں تھا، وہ منع کرتے تھے، مگر تھے دونوں مخلص۔ اللہ کی شان! ایک مرتبہ دونوں کی ملاقات ہوئی تو ملاقات میں مولوی تراب علی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مفتی صاحب! آپ کا مولود سے انکار ابھی بھی چلا آرہا ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا: جی! آپ کا اصرار ابھی بھی چلا آرہا ہے؟ تو مولوی صاحب نے کہا: اللہ جانتا ہے کہ ہم تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کی وجہ سے یہ عمل

کرتے ہیں۔ تو مفتی صاحب نے جواب دیا کہ ہم بھی متابعتِ رسول ﷺ کی وجہ سے اس کو بدعت کہتے ہیں۔ یہ سن کر مولوی صاحب مسکرا پڑے اور کہنے لگے: پھر تو آپ بھی نجات پا جائیں گے، ہم بھی نجات پا جائیں گے۔ اس لیے کہ چونکہ دونوں مخلص تھے۔

دو مشائخ کا اخلاص پر مبنی اختلاف:

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے مشائخ میں سے گزرے ہیں۔ دہلی میں نظام الدین میں آج بھی آرام فرما رہے ہیں۔ وہ اپنے وقت میں سماع کرواتے تھے۔ سماع کا مطلب یہ کہ جیسے آج کل نعت پڑھتے ہیں، اس کو ''سماع'' کہتے تھے...... موسیقی کے ساتھ یہ جو مروجہ قوالی ہے، یہ سماع نہیں کہلاتا۔ قوالی تو الگ چیز ہے۔ یہ تو بعد کے دور کے لوگوں کی ایجاد ہے۔ پہلے مشائخ کے حالاتِ زندگی میں اس کی کہیں دلیل نہیں ملتی۔ موسیقی حرام ہے۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے آلاتِ موسیقی کو توڑنے کے لیے دنیا میں بھیجا ہے۔ اور مزامیر شیطان کی طرف سے ہے۔ تو موسیقی تو جائز نہیں ہے۔ اب اس کے ساتھ مل کر کوئی ایسے الفاظ کہنا شروع کر دے تو وہ چیز جائز تو نہیں ہو جاتی...... سماع جس کو بزرگوں نے کہا، یہ ایسے تھا جیسے آج کل اشعار کی محفل ہوتی ہے، جس میں اللہ کی حمد بیان ہوتی ہے، نعت پڑھی جاتی ہے۔ اہل بیت وصحابہ کی منقبت پڑھی جاتی ہے تو اس کو ''سماع'' کہا جاتا تھا۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ اپنی مجلس میں نعت پڑھاتے تھے اور لوگوں پہ جذب طاری ہو جاتا تھا۔ وہ اچھلتے تھے اور اللہ اللہ کرتے تھے۔ اُس وقت قاضی ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ یہ حکومت کی طرف سے محتسب اعلیٰ متعین تھے۔ محاسب تھے۔ ان کی ڈیوٹی یہ تھی کہ اگر تم کوئی چیز نئی دیکھو، شریعت کے خلاف دیکھو تو اس کو بند کر دو۔

اب چونکہ ان کا ڈیپارٹمنٹ تھا، یہ ہمیشہ آتے تھے اور ایسی مجلس کو دیکھتے تھے تو بس مجلس کو برخواست کروادیتے تھے۔ جب مجلس برخواست ہو جاتی تو حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کے جو معتقدین تھے، وہ بڑا غصہ کرتے۔ یہ مفتی صاحب آجاتے ہیں اور اتنی اچھی محفل جس میں ذوق ہوتا ہے، کیفیت ہوتی ہے، اس کو یہ ختم کروادیتے ہیں۔ مگر خواجہ نظام الدین اولیا خاموش رہتے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ اخلاص والے ہیں اور اپنی طرف سے وہ شریعت کو لاگو کر رہے ہیں۔ یہ سلسلہ زندگی بھر چلتا رہا۔

اللہ کی شان دیکھیں کہ قاضی ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہو گئے اور یہ ان کا مرض الوفات تھا۔ بہت زیادہ طبیعت خراب ہوگئی...... آج کل کے کوئی پیر صاحب ہوتے تو ان کے مریدین کہتے کہ دیکھا! ہمارے حضرت صاحب کا مخالف تھا، اللہ نے کیسا پکڑا؟ کیسے بیمار پڑا ہے؟ اب بچتا ہے کہ نہیں بچتا، کوئی بددعا لگ گئی ہے ہمارے حضرت کی...... مگر وہ آج کل کے پیر نہیں تھے، وہ اخلاص والے تھے۔ جب پتہ چلا کہ قاضی صاحب بیمار ہیں تو خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ نے سوچا کہ مسلمان کے مسلمان پر پانچ حقوق ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک ''مریض کی عیادت کرنا ہے''۔ تو خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں ان کی عیادت کے لیے جاؤں گا۔

اب مریدین کے لیے یہ انوکھی بات تھی کہ وہ تو مخالف ہیں اور ہماری مجالس کو بند کرواتے ہیں اور ہمارے حضرت ان کی عیادت کے لیے جا رہے ہیں...... بڑوں کے عمل چھوٹوں کے لیے ہمیشہ نمونہ ہوا کرتے ہیں...... حضرت خواجہ صاحب تشریف لے گئے، دروازے پہ پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے خادم نکلا۔ پوچھا: کون؟ جواب ملا: جی! خواجہ نظام الدین اولیا طبع پرسی کرنے کے لیے آئے ہیں۔ اس

نے جا کر قاضی صاحب کو بتایا۔ انہوں نے کہا: بھئی! بات یہ ہے کہ میرے آخری لمحات ہیں اور میرا ان سے علمی اختلاف ہے کہ وہ ایک عمل کو کرتے ہیں جسے میں بدعت سمجھتا ہوں اور وہ جائز سمجھتے ہیں۔ اس وقت وہ میرے پاس آئیں گے تو میری طبیعت میں تکدر آئے گا، اس لیے میں نہیں چاہتا کہ آخری وقت میں میری طبیعت میں تکدر آئے، میں اللہ کی یاد میں مشغول دنیا سے جانا چاہتا ہوں، تم جا کر معذرت کر لو۔ وہ خادم آیا اس نے کہا: جی! وہ فرما رہے ہیں کہ میں اس وقت نہیں چاہتا کہ آپ آئیں اور فلاں عمل کی وجہ سے میری طبیعت میں تکدر آئے، میں حضوری کے ساتھ اللہ کے سامنے پیش ہونا چاہتا ہوں۔ جب انہوں نے یہ کہا تو خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: بھئی! جا کر بتاؤ، میں بدعت سے توبہ کی نیت سے آیا ہوں۔ جب خادم نے جا کر یہ بات کہی تو اس وقت قاضی ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ لیٹے ہوئے تھے، فوراً اپنی پگڑی اتاری اور شاگرد سے کہا کہ میری چار پائی سے لے کے دروازے تک میری پگڑی کو بچھاؤ اور خواجہ صاحب سے کہو کہ اس کے اوپر جوتوں سے چلتے ہوئے میرے پاس آئیں...... جو اخلاص والے لوگ ہوتے ہیں ان کا ہر کام اللہ کی رضا کے لیے ہوتا ہے۔ (یادگار واقعات: ص ۱۸۸)

حضرت حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا اخلاص:

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت جلالی تھی۔ چنانچہ تربیت کے لیے جو مریدین آتے تھے تو حضرت ان کے اوپر خوب سختی فرماتے تھے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت بہت رحم والی تھی۔ جو لوگ تربیت کے لیے آتے تھے تو حضرت ان کے ساتھ بہت زیادہ محبت کا اظہار فرماتے تھے، مہمان نوازی بھی کرتے، حتیٰ کہ رات کو مہمان سو جاتا تو کئی مرتبہ اس کے پاؤں بھی دبایا کرتے تھے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال اور

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تو ماشاء اللہ ایک نظم تھا، ایک ضبط تھا، ذرا اس سے کوئی آگے پیچھے ہوتا تھا تو بستر سر پہ رکھ کر خانقاہ سے نکال دیا جاتا تھا۔اب لوگ باتیں بھی کرتے تھے ۔کئی لوگ کہتے تھے کہ جی بڑی سختی کرتے ہیں ۔کسی نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ حضرت! بہت مشہور ہو گیا ہے کہ آپ بڑی سختی کرتے ہیں۔تو حضرت نے فرمایا: بھئی! لوگ جانور بن کر میرے پاس آتے ہیں، اب مجھے ان پر چھری بھی تو چلانی پڑتی ہے کہ انسان بنیں۔کسی نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو کہا کہ حضرت! آپ بڑے اچھے ہیں، آپ کی طبیعت میں کتنی نرمی ہے، پیار ہے، محبت ہے، مہمان نوازی بھی کرتے ہیں، پھر مہمانوں کے پاؤں بھی دباتے ہیں۔وہاں تو بڑی سختی ہے۔اب یہ ایک ایسا موقع تھا کہ کوئی عام بندہ ہوتا تو وہ کہتا کہ ہاں...... ہمارا یہ عمل اور ان کا یہ عمل...... مگر چونکہ اخلاص تھا اس لیے اس کہنے والے کو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے بلایا اور فرمایا: دیکھو! ایک ہوتے ہیں ڈاکٹر جو سرجن ہوتے ہیں، ان کے پاس جب کوئی پھوڑے والا بندہ آتا ہے تو وہ اس کے اوپر چھری پھیرتے ہیں، نشتر لگاتے ہیں اور ان کا گند نکالتے ہیں، مگر وہ بڑے سرجن کہلاتے ہیں۔اور ایک ہوتے ہیں کمپوڈر۔کمپوڈر کا کام ہوتا ہے کہ بس زخم کے اوپر مرہم لگا لو۔مریض کو ظاہر میں کمپوڈر اچھا لگتا ہے کہ ہمیشہ مرہم لگا دیتا ہے اور سرجن اچھا نہیں لگتا لیکن جب شفا پا لیتا ہے تو پھر سرجن کا احسان مانا کرتا ہے۔فرمانے لگے: میری حیثیت تو کمپوڈر کی سی ہے اور ان بزرگوں کی حیثیت سرجن ڈاکٹر کے مانند ہے......تو یہ اخلاص والے لوگ ہوتے تھے۔

اہلِ اخلاص کی ملاقات کا منظر:

ایک مرتبہ سید عطا اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت

کے لیے جانے لگے۔ سوچا کہ ہدیہ کے لیے میں کچھ مٹھائی لے جاتا ہوں۔ چنانچہ دس کلو مٹھائی منگوالی۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ یہ ہے کہ اگر پہلی مرتبہ کوئی بندہ آئے تو اس سے ہدیہ نہیں لیتے، یہ ضابطہ بنایا ہوا ہے، اس لیے حضرت تو نہیں لیں گے۔ وہ بھی پھر بخاری تھے۔ انہوں نے فرمایا: اچھا میں قبول کروالوں گا۔

چنانچہ اگلے دن شاہ جی سہارنپور سے تھانہ بھون کی طرف چلے۔ اللہ کی شان کہ ایک قلی کو سامان کے لیے ساتھ لیا۔ قلی کو اس وقت دو آنے دیے جاتے تھے، شاہ جی نے چونّی دی مگر وہ بھی عجیب قلی تھا، کہنے لگا: میرا اصول ہے کہ میں دو آنے ہی لیتا ہوں، میں چونی نہیں لیتا۔ شاہ صاحب کہتے رہے کہ لے لو، وہ گیا اور چونی کو کھلوا کے دو آنے شاہ صاحب کو واپس کیے اور فقط دو آنے ہی لیے۔ شاہ صاحب بڑے حیران ہوئے کہ مزدور آدمی ہے، مگر دیکھو! اس کا بھی اپنا ایک اصول ہے۔ خیر! جب تھانہ بھون پہنچے تو رات کا وقت تھا، حوض کے قریب جا کر شاہ جی لیٹ گئے۔ دن کا وقت ہوا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: جی! آپ کون ہیں؟ انہوں نے جواب میں کہا: جی! عطاء اللہ۔ حضرت تھانوی پہچان تو گئے چہرے مہرے سے اور شخصیت سے کہ ؎

مردِ حقانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

فرمایا: سید عطاء اللہ شاہ بخاری؟ شاہ جی نے کہا: جی! حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اپنی زبان سے کہیں کہ میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہوں۔ کہا: حضرت! میں کیسے کہہ سکتا ہوں؟ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تعریفاً نہ کہو، تعارفاً کہہ دو۔ تو انہوں نے کہہ دیا: سید عطاء اللہ شاہ بخاری۔ پھر حضرت نے بٹھایا، بڑی محبت کا اظہار فرمایا۔

پھرانہوں نے پیش کش کی کہ حضرت! میں آپ کے لیے کچھ ہدیہ لایا ہوں۔تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بھئی! میرے ہاں تو ایک ضابطہ ہے کہ ہم پہلی ملاقات میں ہدیہ نہیں لیتے۔تو شاہ جی نے فرمایا: حضرت! مجھے میرے والد صاحب نے نصیحت کی تھی کہ جب بھی کسی اللہ والے کے پاس جانا، ہمیشہ ہدیہ لے کر جانا، تو میں اپنے والد صاحب کی نصیحت کی وجہ سے ہدیہ لایا ہوں، قبول کرلیں۔ حضرت نے فرمایا: اچھا! پھر مجھے بھی میرے والد صاحب نے نصیحت کی تھی کہ پہلی ملاقات میں ہدیہ قبول نہ کرنا۔اب لاجواب ہو گئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے گھر جانا تھا مسکرائے اور فرمایا: شاہ جی! اس کا جواب ڈھونڈھ کر رکھنا۔ میں گھر جاتا ہوں، کھانا بھجواؤں گا آپ کھا لینا، دوپہر کے وقت قیلولہ کرلینا، ظہر کے بعد ملاقات ہوگی۔

چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ظہر کے وقت تشریف لائے پھر محفل لگی۔اس محفل میں حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب باتیں سنائیں اور محفل کو کشتِ زعفران بنا دیا۔اس محفل سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی بہت محظوظ ہوئے۔محفل کے اختتام پہ شاہ جی نے پھر کہا: حضرت! ہدیہ لایا ہوں، قبول فرمالیجیے۔پوچھا: جواب سوچ رکھا ہے؟ کہنے لگے: جواب تو میں نے نہیں سوچا، آپ مجھے جواب سکھا دیجیے۔جب کہا کہ آپ مجھے جواب سکھا دیجیے۔تو انہوں نے فرمایا کہ آپ یوں کہیں کہ میں سید عطاءاللہ شاہ بخاری آپ کو حکم کرتا ہوں کہ ہدیہ قبول فرمالیں۔تو چونکہ آپ سید ہیں اس لیے میں آپ کی بات کو نہیں موڑوں گا۔اللہ اکبر! بس یہ بات کہنی تھی شاہ صاحب کی آنکھوں سے آنسو برسنے لگے، حضرت! کون دعوٰی کرسکتا ہے کہ میں سید ہوں، یہ بہت بڑی بات ہے، میں یہ الفاظ کبھی نہیں کہہ سکتا کہ میں سید ہوں، آپ میری بات مانیں۔چنانچہ ان کے آنسوؤں کو دیکھ کر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا خود دل بھر آیا۔تو پھر حضرت شاہ صاحب نے

روتے ہوئے کہا: حضرت! جب حیلہ بتا ہی رہے ہیں تو بن کہے ہی قبول فرما لیجیے۔ تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا ہدیہ قبول فرما لیا۔

ایک اہلکار کی مخلصانہ توبہ:

جب اخلاص ہوتا ہے تو پھر اس طرح انسان کے اعمال ہوا کرتے ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک آدمی آیا جو علاقہ کا ذمہ دار تھا، مگر بہت بدکاری کی زندگی گزار چکا تھا۔ بیعت ہوا تو حضرت نے فرمایا: بھئی آؤ! مگر پہلی بات یہ کہ گناہوں سے توبہ کرلو۔ اس نے کہا: میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ فرمایا: کیا مطلب؟ کہتا ہے: نہ کبھی قتل کیا، نہ کبھی زنا کیا، پوری زندگی یہ عمل نہیں کیا۔ حضرت نے فرمایا: اور کیا کیا؟ کہنے لگا: ہاں دیہاتی علاقہ تھا اور ہم چوری کو تو چوری ہی نہیں سمجھتے تھے۔ فرمایا: اچھا پھر لسٹ بناؤ اور جتنے بندوں کی چوری کی ان سے معافی مانگ کر آؤ...... ہمارے پہلے بزرگ مریدوں کی کیسی دھلائی کرتے تھے کہ جاؤ! سب سے سائن کرا کے آؤ......اب وہ کئی سو بندے بن گئے، کسی کے گنے توڑے، کسی کا مال کھایا، کسی کے پیسے چرائے۔ الغرض سب کے پاس گئے اور سب سے معافی مانگ کے سائن کرا کے آئے۔ اللہ کی شان ایک ہندو تھا۔ اس کے پانچ سو روپے چرائے تھے۔ اس سے بھی معافی مانگی اور یہ ان کا اخلاص تھا کہ ہندو نے بھی لکھ کر دے دیا کہ میں نے ان کو معاف کر دیا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو دکھایا کہ حضرت! میں نے سب سے معافی مانگ لی۔ انہوں نے فرمایا: بھئی! اس کی تصدیق کون کرے گا کہ سب نے معاف کر دیا؟ کسی اور کے سائن بھی تو ہو سکتے ہیں۔ اب اس کا حل یہ ہے کہ تم سب بندوں کے لیے کاغذ اور لفافے لاؤ، میں ان سب کو خود خط لکھتا ہوں، تاکہ ڈائریکٹ تصدیق ہو سکے کہ انہوں نے معاف کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ گیا اور جا کر جتنے بندے تھے اتنے لفافے لے کے آئے۔ تو

جب لفافے لے کے آئے کہ حضرت! آپ خط لکھ کر تصدیق فرمالیں تو پھر حضرت نے فرمایا کہ تمہارا لفافے لینے کے لیے چلا جانا ہی اس بات کا ثبوت تھا کہ تم مخلص ہو اورانھوں نے تمہیں معاف کر دیا۔ مجھے لفافوں کی ضرورت ہے، میں آپ سے یہ سب لفافے خرید لیتا ہوں اور آپ کی اس بات کو میں قبول کر لیتا ہوں۔ چنانچہ پیسے دیے اوراس سے لفافے خرید لیے۔ اللہ اکبر۔

ایک مجاہدِ ختمِ نبوت کا جذبہ:

جہاں اخلاص ہو وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوتی ہیں ...... ایک آخری واقعہ سن لیجیے...... ایک عالم تھے، ان کا جوان العمر بیٹا بیمار ہو گیا۔ اس کو لے کر ہسپتال میں گئے۔ ڈاکٹروں نے بیٹے کو چیک کیا۔ بیماری اتنی بڑھ چکی تھی کہ انھوں نے رپورٹ دی کہ مولانا! آپ کا بیٹا آج رات کا مہمان ہے۔ پوچھا: میں کسی بڑے ہسپتال میں لے کر جاؤں؟ انھوں نے کہا: کوئی فائدہ نہیں، آج رات کا مہمان ہے۔ اب جس بندے کو جوان العمر بیٹے کے بارے میں بتایا جائے کہ آج رات کا مہمان ہے تو اس کے دل پر کیا گزرے گی؟ تو وہ بڑے آزردہ اور بڑے غمگین دل کے ساتھ بیٹے کو لے کر گھر آئے۔ چارپائی پر لٹایا، بیوی کو بتا دیا۔

ابھی اسی حال میں تھے کہ دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ باہر نکلے۔ پوچھا کون؟ ایک بڑے میاں کھڑے تھے، کہنے لگے: میں فلاں گاؤں سے آیا ہوں...... ذرا دور کا نام لیا...... وہاں پر ایک قادیانی مبلغ آیا ہوا ہے اور لوگوں کے ایمان خراب کر رہا ہے، ختم نبوت کے خلاف کام کر رہا ہے۔ تو میں آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ میرے ساتھ چلیں اور وہاں جا کر ختم نبوت پر تقریر کریں اور نبی علیہ السلام کی ختمِ نبوت کو لوگوں کے سامنے بیان کریں۔ اب ان عالم نے جب یہ سنا تو وہ واپس آئے اور بیوی کو کہا کہ تم

دھیان رکھنا، جو قضا ہے وہ تو پوری ہو کر رہے گی۔ مجھے جب اطلاع مل گئی کہ کوئی نبی علیہ السلام کی ختمِ نبوت پہ ڈاکہ ڈال رہا ہے تو میں اب رک نہیں سکتا۔ بیوی کی آنکھوں میں آنسو تھے، بیٹا مہمان ہے، ڈاکٹر کہتے ہیں رات نہیں گزرے گی، آپ جانا چاہ رہے ہیں۔ مگر انہوں نے تسلی دی کہ ہاں، میں جانا چاہ رہا ہوں، مجھے چونکہ بوڑھے نے دعوت دے دی ہے اس لیے اب میں رک نہیں سکتا۔ اتنے میں بیٹے نے بھی بات سن لی تو بیٹے کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ وہ کہنے لگا: ابا جی! آپ مجھے چھوڑ کے جا رہے ہیں۔ تو بیٹے کو تسلی دی: بیٹا جا رہا ہوں، زندگی ہوئی تو واپسی پہ ملاقات ہو جائے گی، اگر اللہ نے بلا لیا تو قیامت کے دن نبی علیہ السلام کے حوضِ کوثر پر ملاقات ہوگی۔ یہ دین کا کام کرنیوالے لوگ ہوتے ہیں۔

چنانچہ تانگے پہ بیٹھے اور چل پڑے۔ ابھی شہر سے نکلے نہیں تھے کہ بیٹے کی وفات ہو گئی۔ گھر والوں نے بندے کو بھگایا۔ اس نے جا کر بتایا اور کہا کہ آپ واپس آجائیں۔ تو فرمانے لگے: نہیں! اس لیے کہ جنازہ پڑھنا فرض کفایہ ہے اور نبی علیہ السلام کی ختمِ نبوت کا دفاع کرنا، یہ فرض عین ہے، بڑھتے قدم واپس نہیں آسکتے۔ چنانچہ وہاں گئے، وہاں جا کر بیان کیا جو لوگ دین سے ہٹے تھے وہ لوگ واپس دین میں آگئے، پھر گھر واپس آئے۔

اگلے دن خواب میں بیٹے کی زیارت ہوئی۔ اپنے بیٹے سے پوچھا: بیٹے! آگے کیا ہوا؟ بیٹے نے کہا: گناہ میرے بہت زیادہ تھے، مگر جب اللہ کے حضور پیش کیا گیا تو فرمایا کہ تیرے باپ نے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قربانی دی، ہم نے تیرے سب گناہ معاف فرما دیے۔ جو اخلاص کے ساتھ دین پر عمل کرتے ہیں پھر اللہ ان پر یوں مہربانیاں فرمایا کرتے ہیں۔

شیخ شہاب الدین خطیب رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب دعا:

شیخ شہاب الدین خطیب رحمۃ اللہ علیہ اللہ سے دعا مانگا کرتے تھے :اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے ساری زندگی فقط تجھ سے محبت کی، اللہ! میری ایک تمنا کو پورا کر دیجیے کہ مرتے وقت میرے پاس نہ کوئی اپنا ہو نہ پرایا ہو، نہ ہی میرے پاس مرتے وقت ملک الموت ہو۔ اللہ! میں ہوں اور تو ہو۔ ؎

نہ یہ چاہتا ہوں نہ وہ چاہتا ہوں
خدا کے لیے میں خدا چاہتا ہوں
نہ دولت ، نہ عزت ، نہ جاہ چاہتا ہوں
فقط ایک تیری رضا چاہتا ہوں

اللہ رب العزت ہمیں اپنی رضا نصیب فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

﴿وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ○
الَّذِيْنَ هُمْ يُرَاؤُوْنَ○﴾ (ماعون)

بیان: محبوب العلماء والصلحاء، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم
تاریخ: 10 فروری 2012ء بروز جمعہ ۱۷ ربیع الاوّل ۱۴۳۳ھ
موقع: بیان جمعۃ المبارک
مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

اقتباس

ہم نے دنیا میں دیکھا ہے کہ اگر کوئی دکھاوے والا کام کرے تو عام لوگ بھی پسند نہیں کرتے۔ مثلاً: ایک آدمی شادی میں دولہا کے لیے تحفہ لاتا ہے اور سب باراتیوں کو دکھا رہا ہے کہ دیکھو جی! میں دلہے کو یہ دے رہا ہوں۔ تو کیا دولہا یہ پسند کرے گا؟ نہیں پسند کرے گا۔ معلوم یہ ہوا کہ عام دستور بھی یہی ہے کہ لوگ دکھاوے کو پسند نہیں کرتے۔ تو جب دنیا والے دکھاوے کو پسند نہیں کرتے تو ربِ کریم تو پروردگارِ عالم ہیں وہ کیسے پسند کریں گے؟

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

ریا کی حقیقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَاءُوْنَ ○ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ○﴾ (ماعون)

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ مَقَامٍ اٰخَرَ

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ﴾ (الشوریٰ:۲۰)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

ریا کا مطلب:

جو آیاتِ مبارکہ پڑھی گئیں ان کا تعلق دکھاوے اور ریا سے ہے۔ بعض لوگ نیک کام کرتے ہیں، تاکہ لوگ ان کی تعریف کریں اور انہیں اچھا سمجھیں۔ ان کا مقصد صرف اللہ کی رضا نہیں ہوتا۔ اسی لیے یہ ریا کا لفظ رُؤْيَا سے بنا ہے۔

لِاَنَّ الْمُرَائِيَ يُرِي النَّاسَ عَمَلَهٗ لِلْخَيْرِ لِيُثْنُوْا عَلَيْهِ وَيَحْمَدُوْنَهٗ

''اس لیے کہ ریا کار آدمی نیک عمل اس لیے کرتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں اور اسے اچھا سمجھیں''

ریا مشتق ہے رؤیت سے، جس کا مطلب ہوتا ہے دکھائی دینا، تو ریا کا مطلب یہ کہ لوگ مجھے اچھا دیکھیں یا اچھا سمجھیں۔

ریا کی تعریف یہ ہے:

''اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں یہ نیت کرنا کہ لوگ مجھے اچھا سمجھیں''

ریا ''شرکِ خفی'' ہے:

ہونا تو یہ چاہیے کہ جب عمل اللہ کے لیے ہے تو مقصود بھی اللہ کی رضا ہو۔ اس میں اگر مخلوق کی طرف تھوڑا سا بھی دھیان چلا گیا تو اس کو ''شرکِ خفی'' کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو ناپسند کرتے ہیں اور ایسے عمل کو عمل کرنے والے کے منہ پر مار دیتے ہیں۔

ہم اس کو اپنے گھروں میں کئی مرتبہ خود بھی دیکھتے ہیں کہ میاں بیوی کا تعلق پیار محبت کا تعلق ہوتا ہے، بیوی یہ پسند کرتی ہے کہ خاوند کوئی کام میرے لیے بھی کرے۔ اگر جنرل (عمومی) کام ہو تو وہ اسے اپنے لیے نہیں سمجھتی۔ مثلاً کہیں: میں نے تمہیں اچھا مکان بنا کر دیا، کہے گی: یہ تو بچوں کے لیے کیا۔ کہیں: میں نے تمہیں گاڑی خرید کر دی، وہ کہے گی: بچوں کے لیے خریدی۔ کہیں کہ میں تمہیں سیر کے لیے مری لے کر گیا، کہے گی بچوں کے لیے گئے۔ وہ کہتی ہے: میرے لیے کیا کیا؟ اپنے لیے وہ اس چیز کو سمجھتی ہے جو فقط اس کی ذات سے وابستہ ہو۔ مثلاً: اسے کپڑا خرید کر دیں یا جیولری خرید کر دیں۔ تو جہاں دنیا کی فانی محبتیں ہیں تو وہاں بھی محبوب یہ چاہتا ہے کہ اگر کوئی کام ہو تو وہ صرف اس کے لیے ہو۔ اللہ تعالیٰ تو پھر محبوبِ حقیقی ہیں، وہ بھی یہی چاہتے ہیں کہ میرے بندے! اگر تم کوئی کام کرو تو نیت صرف میری رضا کی ہو۔ اس میں کسی اور کا شبہ بھی نہیں ہونا چاہیے۔

ریا کے حرام ہونے کی دو وجوہات

ریا دو وجوہات سے حرام کیا گیا:

پہلی وجہ:

ایک تو یہ کہ بندے نے مخلوق کی رضا کو اللہ کی رضا پر مقدم کیا۔ مخلوق کی کیا حیثیت ہے؟ یہ تو اللہ کے سامنے گستاخی ہے، ایک بندہ عمل کرے بادشاہ کے لیے اور دکھائے کسی بھنگی کو تو بادشاہ کیا کہے گا؟ یہی کہ دفعہ ہو، تیرا عمل بھی ختم اور تو بھی جا۔ کام میرے لیے کیا تھا اور دکھاتا بھنگی کو ہے! ہمارا حال بھی یہی ہے کہ عمل ہم اللہ کے لیے کرتے ہیں اور دکھاتے مخلوق کو ہیں۔

دوسری وجہ:

اور دوسری وجہ یہ کہ بندوں کو اپنے حق کے اندر نفع اور نقصان کا مالک سمجھا کہ مخلوق خوش ہوگی تو مجھے فائدہ ہوگا اور مخلوق ناراض ہوگی تو مجھے نقصان ہوگا۔ چونکہ نفع اور نقصان میں مخلوق کو شریک سمجھا اس لیے ریا کو اللہ نے حرام قرار دیا۔ یہ بات بہت اہم ہے، ذہن میں اس کا مفہوم واضح (Concept Clear) ہونا چاہیے۔

عیادتِ مریض کی تین صورتیں

ایک مثال سے سمجھیں! آپ جب کسی مریض کی عیادت کرنے کے لیے جاتے ہیں تو اس میں تین صورتیں ممکن ہیں:

(۱) اللہ کی رضا کے لیے:

پہلی صورت تو یہ کہ آپ دل میں یہ نیت کریں کہ میں مریض کی عیادت کروں گا

تو میرا اللہ مجھ سے راضی ہوگا، کیونکہ حدیثِ پاک میں فرمایا گیا:

حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ (صحیح البخاری، رقم:۱۱۶۴)

''مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں''

ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کی جائے۔ تو اگر دل میں یہ نیت ہے کہ میں مریض کی عیادت اس لیے کر رہا ہوں کہ اللہ مجھ سے راضی ہو جائے تو یہ سو فیصد جائز ہے۔

(۲) مریض کا دل خوش کرنے کے لیے:

دوسری صورت یہ ہے کہ دل میں یہ نیت ہو کہ میں مریض کی عیادت کروں گا تو مریض کا دل خوش ہو جائے گا۔ یہ بھی جائز ہے۔ اس لیے کہ مومن کا دل خوش کرنے کو اللہ نے عبادت قرار دیا ہے۔ ایک مسلمان بھائی دائرۂ شریعت کے اندر رہتے ہوئے دوسرے مسلمان کا دل خوش کرتا ہے تو یہ نیکی ہے، حتیٰ کہ اگر کھلے چہرے کے ساتھ مسکرا کر مصافحہ کرتا ہے تو اس پر بھی گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ لہٰذا اگر یہ نیت ہوگی کہ مریض خوش ہو جائے گا تو یہ بھی نیکی ہوگی، کیونکہ یہ حکمِ شریعت کے عین مطابق ہے۔

(۳) دنیاداری کے لیے:

تیسری صورت یہ ہے کہ بندہ اس خیال کے تحت جائے کہ وہ بیمار ہے۔ اگر میں عیادت نہیں کروں گا تو کل وہ بھی میری عیادت نہیں کرے گا۔ یہ دنیاداری ہے۔ آپ خود غور کیجیے کہ صورتحال خود بتا رہی ہے کہ مقصد آخرت نہیں ہے، مقصد دنیا ہے۔ جی! میں ان کی عیادت نہیں کروں گا تو کل یہ بھی میری عیادت نہیں کریں گے، یہ تو کاروبار ہوا کوئی نیک عمل تو نہ ہوا۔ اس لیے شریعت نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔

لباس کی تین صورتیں

ایک اور مثال دیکھیں: انسان لباس بناتا ہے، اس لباس میں تین صورتیں ہیں:

زیبائش کا لباس:

ایک صورت یہ ہے کہ وہ لباس خوبصورت ہو، زیبائش کا لباس ہو۔ شریعت نے اس کو جائز قرار دیا۔ خود شریعت نے کہا:

﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الاعراف:۳۱)

''تم مسجد میں آتے ہوئے زینت کو اختیار کرو''

چنانچہ جمعہ کے دن، عید کے موقع پر جو بھی اچھے، نئے کپڑے موجود ہوں وہ پہن کر آنا، اس پر بھی ثواب ملتا ہے۔ یہ اسلام کی خوبصورتی اور شریعت کا حسن ہے کہ اس نے امیر کا بھی خیال رکھا اور غریب کا بھی خیال رکھا۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیوند لگے کپڑے بھی پہنے تو یہ بھی سنت ہیں اور بہت ہی قیمتی یمنی چادر بھی اوڑھی اور تھوڑی دیر میں اس کو صدقہ کر دیا تو یہ بھی سنت ہے۔ مقصد یہ تھا کہ آنے والے وقت میں اگر صرف یمنی چادر اوڑھنی سنت ہوتی تو غریب محروم ہو جاتا اور اگر صرف جوڑ لگا کر کپڑے پہننا ہی سنت ہوتا تو امیر محروم ہو جاتا۔ تو شریعت نے دونوں کا خیال رکھا۔ کہ ہر بندہ اپنی حیثیت کے مطابق عمل کرے۔

تو لباس میں اگر زیبائش کا لباس ہے کہ خوبصورت ہے، خاوند بناتا ہے کہ میری بیوی کا دل خوش ہوگا، بیوی بناتی ہے کہ میرے خاوند کا دل خوش ہوگا، یہ سو فیصد جائز ہے۔

آسائش کا لباس:

دوسری صورت یہ ہے کہ آسائش کا لباس ہو۔آسائش کہتے ہیں سہولت کو۔جیسے ہمارا لباس ہے۔ماشاء اللہ...... یہ آسائش کا لباس ہے۔ستر بھی چھپاتا ہے اور ہر قسم کی مومنٹ میں بھی آسانی رہتی ہے۔کچھ لوگوں کو دیکھا کہ تنگ قسم کی پینٹ پہنی ہوتی ہے، بیٹھنے سے بھی بیچارے تنگ ہوتے ہیں۔جتنا اچھا ستر ہمارے اس لباس میں چھپتا ہے اُس میں تو نہیں چھپتا۔اُس میں تو جسم کے اعضا بہت واضح ہوتے ہیں۔جب نئی نئی پینٹ نکلی تھی تو لوگ حیران ہوتے تھے کہ یہ کیسا لباس ہے؟ تو کسی نے حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ حضرت! پینٹ پہننے سے نماز ہو جاتی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ پہننے والی کی تو ہو جاتی ہے لیکن جو پیچھے نماز پڑھتا ہے اس کی نہیں ہوتی۔تو آسائش کا لباس ہو تو شریعت نے اس کو جائز قرار دیا۔

نمائش کا لباس:

ایک تیسرا لباس ہے نمائش کا لباس، دکھاوے کا لباس۔شریعت نے اس کو حرام قرار دے دیا۔چنانچہ کتنی عورتیں ہیں وہ صرف اس لیے کپڑے بنواتی ہیں کہ بس عورتیں دیکھیں تو حیران ہی رہ جائیں، یہ نیت حرام قرار دے دی گئی۔اور بعض دفعہ تو عورتیں کپڑے بنواتی ہیں تو دھو کر سامنے بھی نہیں لٹکاتیں کہ کپڑا پہننے سے پہلے بھی کوئی نہ دیکھے۔ان اللہ کی بندیوں میں یہ خاص ٹیکنالوجی ہے کہ ایسا لباس پہنو کہ ایسا کوئی اور نہ پہنے۔اس کو نمائش کا لباس کہا گیا۔شریعت نے اس کو حرام قرار دیا۔تم لوگوں کو کیوں دکھاتے ہو؟ تم اللہ کی رضا کے لیے پہنو۔تو اعمال وہی جائز ہیں جن میں اللہ کی رضا مقصود ہو۔

دکھاوے کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا:

ہم نے دنیا میں دیکھا ہے کہ اگر کوئی دکھاوے والا کام کرے تو عام لوگ بھی پسند نہیں کرتے۔ مثلاً: ایک آدمی شادی میں دولہا کے لیے تحفہ لاتا ہے اور سب باراتیوں کو دکھا رہا ہے کہ دیکھو جی! میں دُلہے کو یہ دے رہا ہوں۔ تو کیا دولہا یہ پسند کرے گا؟ نہیں پسند کرے گا۔ معلوم یہ ہوا کہ عام دستور بھی یہی ہے کہ لوگ دکھاوے کو پسند نہیں کرتے۔ تو جب دنیا والے دکھاوے کو پسند نہیں کرتے تو ربِ کریم تو پروردگارِ عالم ہیں وہ کیسے پسند کریں گے؟

اعمال کو ظاہر کرنے کی تین صورتیں

اعمال کو ظاہر کرنے کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔

پہلی صورت:

کچھ اعمال ایسے ہوتے ہیں کہ جن کو انسان خفیہ کرسکتا ہے۔ مثلاً: تہجد کی نماز پڑھنا، صدقہ دینا، شریعت نے اس بات کو پسند کیا کہ ایسے عمل جو خفیہ ہو سکتے ہیں ان کو چھپا کر کرو تا کہ کوئی دیکھے ہی نہ۔ فرمایا: تم دائیں ہاتھ سے اس طرح صدقہ کرو کہ بائیں ہاتھ کو پتہ ہی نہ چلے۔ بالکل اسی طرح جیسے ہم ایک ہاتھ سے گناہ اس طرح کرتے ہیں کہ دوسرے ہاتھ کو پتہ بھی نہیں چلنے دیتے۔ شریعت نے کہا کہ تم نیکی اس طرح کرو، تہجد اس طرح پڑھو، نفل اس طرح پڑھو، تو ایسی صورت میں ان اعمال کا خفیہ کرنا افضل ہے۔ چنانچہ حکمِ خداوندی ہے:

﴿وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ (البقرة:۲۷۱)

''اگر تم چھپاؤ گے صدقے کو اور فقیروں کو دو گے تو تمہارے لیے یہ زیادہ بہتر

ہے''

دوسری صورت:

دوسری صورت یہ ہے کہ جو اعمال ہیں ہی اعلانیہ طور پر کرنے والے، انہیں اعلانیہ کریں۔

مَا شُرِعَ عَمَلُهٗ عَلَانِيَةً

مثال کے طور پر اذان دینا...... چھپ کر تو نہیں دے سکتا۔ باجماعت نماز پڑھنا ...... چھپ کر تو نہیں پڑھے گا۔ تو ایسے اعمال جن کو شریعت نے حکم دیا کہ اعلانیہ طور پر کرو اس کو انسان اعلانیہ کرے، مگر دل میں مخلوق کا خیال مت آنے دے کہ لوگ مجھے اچھا کہیں گے۔ اگر مخلوق کے خیال سے اپنے آپ کو بچاتا ہے تو فرمایا:

لَهٗ اَجْرَانِ اَجْرُ الْفِعْلِ وَ اَجْرُ الْمُجَاهَدَةِ

''اس بندے کو دو اجر ملیں گے، عمل کا اجر اور مجاہدہ کا اجر''

عمل کا بھی ثواب ملے گا اور مخلوق سے توجہ ہٹانے کا جو مجاہدہ کیا، اس کا بھی ثواب ملے گا۔

تیسری صورت:

ایک تیسری صورت ہے:

بَعْضُ الْاَحْيَانِ يُسْتَحَبُّ اِظْهَارُ الْعَمَلِ لِلْمَصْلِحَةِ

''بعض دفعہ کسی مصلحت کی وجہ سے عمل کو دوسروں کے سامنے ظاہر کیا جاتا ہے تاکہ دوسروں کو ترغیب ہو۔''

جیسے حدیث مبارکہ میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ارشاد فرمایا:

صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ (صحیح ابن حبان، رقم:۱۲۳۱)

''تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو''

اس بات سے ان کو تعلیم دینا مقصود تھا۔ معلوم ہوا کہ ایسا عمل جو مصلحت کی وجہ سے ظاہر کیا جائے وہ بھی شریعت نے جائز قرار دیا ہے۔

شریعت مقصد کو دیکھتی ہے:

شریعت دیکھتی ہے کہ اصل مقصد کیا ہے؟

چنانچہ ایک حدیث مبارکہ میں ہے: ایک شخص نے نبی علیہ السلام سے پوچھا:

اِنَّ بَنِیْ سَلَمَةَ كُلُّهُمْ يُقَاتِلُ فَمِنْهُمْ مَنْ يُقَاتِلُ لِلدُّنْيَا وَ مِنْهُمْ مَنْ يُقَاتِلُ نَجدَةً وَ مِنْهُمْ مَنْ يُقَاتِلُ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ فَاَيُّهُمُ الشَّهِيْدُ؟ قَالَ: كُلُّهُمْ ، اِذَا كَانَ اَصْلُ اَمْرِهٖ اَنْ تَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا

(جامع العلوم والحکم:۱/۱۷)

اے اللہ کے حبیب! بنی سلمہ کے لوگ اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں لیکن ان میں سے کچھ کی نیت یہ ہوتی ہے کہ ہمیں مال غنیمت ملے گا۔ اگرچہ یہ بات ذہن میں ہوتی ہے، لیکن بڑی دلیری اور جوش سے لڑتے ہیں۔ جبکہ کئی ایسے ہوتے ہیں جو فقط اللہ ہی کی رضا کے لیے لڑتے ہیں۔ تو اب آپ بتائیں! ان میں سے شہید کون سے ہیں؟ فرمایا کہ سب شہید ہیں۔ جب تک ان کی نیت یہی ہے کہ اللہ کا نام اور اللہ کا دین بلند ہو۔ تو جہاد کرنے میں اگر مالِ غنیمت کا خیال آ بھی گیا تو یہ نقصان دہ نہیں کیونکہ مقصد اللہ کا دین ہے۔

تو شریعت ایسی نہیں ہے کہ وہ انسان کے اعمال کو خواہ مخواہ ضائع کر دے۔ اس کے پیچھے کوئی Reason (وجہ) ہوتی ہے۔

عمل کا بلا ارادہ ظاہر ہونا مضر نہیں:

کئی مرتبہ انسان اللہ کے لیے عمل کرتا ہے اور لوگوں کو پتہ چل جاتا ہے۔ شریعت نے کہا: اس میں تمہارے لیے کوئی نقصان نہیں ہے، کیوں کہ تم نے عمل تو اللہ کے لیے کیا، اب اگر کسی کو پتہ چل گیا تو تمہارا کیا قصور؟

حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ ایک شخص نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا:

اَلرَّجُلُ يَعْمَلُ الْعَمَلَ فَيُسِرُّهُ فَاِذَا اطُّلِعَ عَلَيْهِ اَعْجَبَهُ ذٰلِكَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَهُ اَجْرَانِ: اَجْرُ السِّرِّ وَ اَجْرُ الْعَلَانِيَةِ

(الترمذی، رقم: ۲۳۸۴)

ایک آدمی عمل کرتا ہے اور انہیں چھپاتا ہے، جب لوگوں کو پتہ چل جاتا ہے تو اسے اس پر عجب ہوتا ہے۔ فرمایا کہ اس کو دو اجر ملیں گے، چھپانے کا بھی ثواب ملے گا اور جب ظاہر ہو گیا تو اعلانیہ کا بھی ثواب ملے گا۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان عمل تو کرتا ہے اللہ کے لیے چھپ چھپ کر لیکن مخلوق اس کی تعریف کرتی ہے، تو اس میں گھبرانے کی بات نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ اپنے دل کی چاہت تو نہیں تھی۔ اب اگر اللہ نے ان کے دل میں محبت ڈال دی تو یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

مخلص بندے کی تعریف، نقد بشارت ہے:

حدیث مبارکہ ہے:

قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: اَرَاَيْتَ الرَّجُلَ يَعْمَلُ الْعَمَلَ مِنَ الْخَيْرِ وَ يَحْمَدُهُ النَّاسُ عَلَيْهِ ؟

نبی ﷺ سے ایسے بندے کے بارے میں پوچھا گیا جو اللہ کے لیے نیک عمل کرتا ہے اور لوگ اس پر اس کی تعریف کرتے ہیں۔

قَالَ: تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ (المسلم، رقم: ۲۶۴۲)

''فرمایا: ہاں! یہ مومن کے لیے نقد بشارت ہوتی ہے''

اللہ تعالیٰ نیک بندے کی تعریف دوسرے کی زبان سے خود کروا دیتا ہے، محروم نہیں رہنے دیتا۔ تو یہ بھی اللہ کی طرف سے ایک انعام ہوتا ہے۔ انسان جتنا بھی چھپ چھپ کر اعمال کرے اتنا ہی اللہ تعالیٰ خود بھی اس سے محبت کرے گا اور لوگوں سے بھی تعریفیں کروائے گا۔ دکھاوے سے بندے کی اتنی تعریفیں نہیں ہوتیں جتنی تعریفیں اخلاص سے ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ محروم نہیں رہنے دیتے، مگر چاہتے یہی ہیں کہ تم عمل فقط میرے لیے کرو۔ مخلوق سے تعریف کروانا یہ میرا کام ہے۔ تو معلوم یہ ہوا کہ ہمیں عمل کرنے کے لیے اپنی نیت کو تولنے کی ضرورت ہے، ہمارے دل میں اگر یہ نیت نہیں کہ کوئی ہمیں دیکھے تو ہمارا عمل ٹھیک ہے۔

ریا کا وسوسہ مضر نہیں:

اب یہاں پر شیطان ایک مکر کرتا ہے کہ جب ہم اعمال کرتے ہیں تو وہ ذہن میں وسوسہ ڈال دیتا ہے کہ لوگوں کو پتہ چل گیا ہے، لوگ ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ اس وسوسے بھی گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ ریا کا تعلق ارادے اور قصد کے ساتھ ہے۔ یہ نکتہ سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جب ارادہ اور قصد نہیں اور خود بخود عمل کے بعد یہ خیال آ گیا تو یہ ریا نہیں، یہ وسوسہ ہے، جو مضر نہیں ہوتا۔ تو ریا لپٹتی نہیں پھرتی کہ میں تو بچ کر کھڑا ہوں، ریا آ کر لپٹ جائے گی۔ نہیں! ریا اپنے ارادے سے ریا بنتی ہے، فقط خیال کے آ جانے سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تَرْكُ الْعَمَلِ لِاَجْلِ النَّاسِ رِيَاءٌ وَّالْعَمَلُ لِاَجْلِ النَّاسِ شِرْكٌ

(بستان العارفین:۱/۷)

''لوگوں کے دکھاوے کے لیے عمل چھوڑ دینا یہ ریا ہے اور لوگوں کے دکھاوے کے لیے عمل کرنا یہ شرک (خفی) ہے''

تو شرک اور ریا کو انہوں نے ذرا کھول کر بتا دیا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے تین علامات بتائی ہیں۔ ان علامات پر غور کرنے سے انسان اپنے آپ کو پہچان سکتا ہے کہ میں ریا کار ہوں یا نہیں۔ فرماتے ہیں:

لِلْمُرَائِیْ ثَلَاثُ عَلَامَاتٍ

ریا کار کی تین علامات ہیں

يَكْسِلُ اِذَا كَانَ وَحْدَهٗ وَ يَنْشَطُ اِذَا كَانَ فِي النَّاسِ

''جب اکیلا ہو تو عمل میں سستی کرے اور جب لوگوں کے درمیان ہو تو نشاط سے عمل کرے''

وَ يَزِيْدُ فِي الْعَمَلِ اِذَا اُثْنِیْ عَلَيْهِ

جب اس کی تعریف کی جائے تو عمل میں زیادتی کر دے۔

وَ يَنْقُصُ اِذَا ذُمَّ (احیاء علوم الدین:۵/۴۲)

اور جب کوئی مذمت کرے تو عمل میں کمی کر دے۔

جو بندہ اللہ کے لیے عمل کر رہا وہ نہ تو لوگوں کی تعریف پر عمل کو زیادہ کرے گا اور

نہ ان کی مذمت پر عمل کم کرے گا۔ وہ تو کرتا رہے گا۔ مثلاً: لوگوں کے درمیان ہوتو خوب بنا سنوار کے نماز پڑھے اور اکیلے میں ہوتو جھٹ پٹ میں فارغ۔ تو فرمایا کہ یہ ریا کار انسان کی علامت ہے۔

ریا کی مختلف صورتیں

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اور زیادہ واضح (Explain) کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ انسان کے عمل بتا دیتے ہیں کہ میں ریا کار ہوں۔ مثال کے طور پر:

⊙......تہجد پڑھی اور صبح کے وقت لوگوں کے سامنے آنکھیں ایسے کھولنا جیسے تھکی ہوئی آنکھیں ہوتی ہیں۔

⊙......روزہ رکھا اور دوسروں کے سامنے ایسے ظاہر کرنا جیسے میں بہت کمزور ہو گیا ہوں۔ یہ زہد کا دکھانا، یہ تھکاوٹ کا لوگوں پر ظاہر کرنا ریا کاری ہوتی ہے۔

⊙...... پراگندہ حال رہنا، بال بکھرے ہیں، جی! بس فرصت ہی نہیں ملتی۔ یہ دکھاوا ہے کہ ایسے ظاہر کرنا میں اتنا عبادت گزار ہوں کہ میرے پاس ٹائم ہی فارغ نہیں ہے۔

⊙......آواز پست کرنا، یعنی اتنا خوفِ خدا ہے میرے اندر، آہستہ بولنا اتنا آہستہ بولنا کہ اگلے کے لیے سننا بھی مشکل ہو جائے، یہ بھی نفس کا دھوکہ ہے۔

⊙......ریا کی عملی صورت کرنا کہ زبان سے دوسروں کو بتا ہی دینا کہ میں تو ایسے ایسے عمل کرتا ہوں۔

⊙......مشائخ کبار سے ملاقات سے دعوے کرنا۔ ذرا پاس بیٹھیں تو بتائیں گے کہ میں تو فلاں بزرگ سے ملا۔ انہوں نے یہ کہا۔ اور مجھے فلاں بزرگ سے، فلاں عالم

سے بھی ملنے کا موقع ملا، مقصد کیا ہوتا ہے؟ مجھے پہچانو۔

⊙......اگر معصیت کا تذکرہ ہوتو ہائے افسوس کرنا۔ کہیں گے: ''او جی! لوگ تو بہت گناہوں میں پڑ گئے ہیں'' لوگوں کے گناہوں پر مجلس کے اندر بہت جزع اور فزع کرنا بھی ریا کاری ہے۔

⊙......دیکھنے والے ہوں تو عبادت لمبی کرنا۔

⊙......محفل میں اپنے آپ کی بہت ملامت کرنا۔ میں تو جی! بہت گناہ گار ہوں، بڑا خطا کار ہوں۔ اور جب کوئی دوسرا بندہ کہے کہ خطا کار! کیا حال ہے؟ تو بڑا غصہ آتا ہے۔ کہتا ہے: میں نے تو اپنے آپ کو کہا تھا، اس نے مجھے ایسے کیوں کہا؟ یہی تو ریا کاری ہے۔ اگر حقیقت ہوتی تو تجھے غصہ نہ آتا۔ تو ریا کار آدمی اپنی عاجزی ظاہر کرنے کا لوگوں کے سامنے دکھاوا کرتا ہے۔

ایک ریا کار عابد کی حکایت:

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک ریا کار عابد تھا۔ ایک دفعہ اس کو بادشاہ نے بلایا تو وہ بڑا جبہ پہن کر اور عمامہ باندھ کر گیا۔ بادشاہ نے اس کا بڑا اکرام کیا، کیونکہ وہ تو سمجھتا تھا کہ یہ تو بڑا عبادت گزار ہے۔ جب کھانے کا وقت آیا تو سب لوگ کھانا کھا رہے ہیں اور اس نے چند لقمے کھا کر ہاتھ ہٹا لیا۔ بادشاہ نے کہا: جی کھائیے! کہا: جی! بس میں اتنا ہی کھاتا ہوں۔ خیر سب لوگوں نے کھانا کھا لیا، جب نماز کا وقت آیا تو سب نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ سب لوگوں نے نماز پڑھ لی اور ان کی نماز ختم ہی نہیں ہو رہی۔ بڑی کیفیت بنی ہوئی ہے، لمبے لمبے سجدے ہو رہے ہیں۔ او جی! میں نماز اسی طرح پڑھتا ہوں۔ خیر گھر آ گئے۔ گھر آتے ہی اس شخص نے بیوی سے کہا: مجھے بھوک بہت لگی ہے، کھانا دے دو! بیوی

نے کہا: کھانا تو آپ وہاں سے کھا کرنہیں آئے؟ کہنے لگا: نہیں نہیں! وہاں تو میں نے تھوڑا سا کھانا کھایا تھا۔ اس کا بیٹا جو اس کے ساتھ گیا تھا وہ سن رہا تھا۔ وہ کہنے لگا: ابا جان! آپ کھانا دوبارہ کھا رہے ہیں تو آپ کو نماز بھی دوبارہ پڑھ لینی چاہیے، کیونکہ وہ نماز تو آپ نے مخلوق کے لیے پڑھی تھی۔ چھوٹا بچہ پہچان گیا کہ اگر کھانے میں دکھاوا تھا تو نماز میں بھی دکھاوا تھا۔

چالیس سال کا مجاہدہ تعریف کی نظر:

اگر اپنے آپ پر محنت نہ کریں تو یہ دکھاوا زندگی بھر چلتا ہے۔ شیخ عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ مسجد میں گئے تو ایک بندہ وہاں چالیس سال سے معتکف تھا۔ بس قضائے حاجت کے لیے نکلتا تھا۔ سب لوگ اس کی بڑی تعریفیں کرتے تھے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ میں نے اسے دیکھ کر کہا کہ بھئی! تم چالیس سال سے تعریفیں سننے کے لیے مسجد میں ہی رہ رہے ہو؟ اس نے میری بات کو سمجھا، کہنے لگا: ہاں! واقعی! ایسا ہے کہ میں چالیس سال سے ایسا مجاہدہ کر رہا ہوں جس کا حاصل کچھ بھی نہیں۔ اس نے چالیس سال کے بعد ریاکاری سے توبہ کی۔

ریا اکابر کی نظر میں

☆......حدیث پاک میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

بَشِّرْ هٰذِهِ الْاُمَّةَ بِالسَّنَاءِ وَ الرِّفْعَةِ وَالدِّيْنِ وَالنَّصْرِ وَ التَّمْكِيْنِ فِي الْاَرْضِ

’’اس امت کو بشارت دے دیجیے! بلندی کی، رفعت کی اور دین کی اور مدد کی اور زمین پر تمکین کی‘‘

اللہ ان کو دنیا میں عزتیں دیں گے، اللہ تعالیٰ ان کو دنیا کے اندر جمائیں گے۔

البتہ

فَمَنْ عَمِلَ مِنْهُمْ عَمَلَ الْآخِرَةِ لِلدُّنْيَا لَمْ يَكُنْ لَهُ فِي الْآخِرَةِ نَصِيبٌ (مسند احمد بن حنبل، رقم:۲۱۲۲۲)

''جو آخرت کے عمل کو دنیا کے لیے کرے گا اس کو آخرت میں پھر کوئی اجر نہیں ملے گا''

تو ہم دنیا کے دکھاوے کے لیے عمل نہ کریں، اللہ کی رضا کے لیے عمل کریں۔

☆......مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: ریاکار بندے کو جا کر کہو کہ وہ اپنے آپ کو خواہ مخواہ نہ تھکائے، کیونکہ اس کو اجر تو قیامت کے دن کچھ ملے گا نہیں۔اس لیے جو ریا والا عمل لے کر آئے گا فرمایا:

﴿وَقَدِمْنَا إِلَى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنْثُوراً﴾ (الفرقان:۲۳)

''ہم ان کے عملوں کی طرف متوجہ ہوں گے تو کیے ہوئے عملوں کو ہم اڑتی خاک بنا دیں گے۔''

اڑتی ہوئی دھول جیسے ہوتی ہے اس کے عملوں کو ہم ایسے بنا دیں گے۔اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اعمال اخلاص کے ساتھ کریں۔

☆......حافظ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

لَا يَجْتَمِعُ الْإِخْلَاصُ فِي الْقَلْبِ وَ مَحَبَّةُ الْمَدْحِ

''دل کے اندر اخلاص اور لوگوں کی تعریف کی چاہت، کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے'' (الفوائد لابن القیم:۱/۱۴۹)

جس طرح آگ اور پانی اکٹھے نہیں ہو سکتے اسی طرح یہ جذبہ کہ لوگ مجھ سے

محبت کریں اور میری تعریف کریں، اور اخلاص ایک دل میں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

☆......چنانچہ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خَیْرُ الْعَمَلِ اَخْفَاهُ ۔ اَمْنَعَهٗ مِنَ الشَّیْطَانِ وَ اَبْعَدَهٗ مِنَ الرِّیَاءِ

(الاخلاص والنیۃ ابن ابی الدنیا، رقم: ۲۷)

''بہترین عمل وہ جو خفیہ کیا جائے۔ یہ شیطان کو روکتا ہے اور ریا سے دور کرتا ہے۔''

☆......فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے تھے:

مَنِ اسْتَوْحَشَ مِنَ الْوَحْدَةِ وَ اسْتَأْنَسَ بِالنَّاسِ لَمْ يَسْلَمْ مِنَ الرِّيَاءِ

(العزلۃ والانفراد ابن ابی الدنیا، رقم: ۲۹)

''جس بندے کو تنہائی میں وحشت ہوتی ہو (دل گھبراتا ہو) اور لوگوں میں بڑا دل خوش رہتا ہو ایسا بندہ ریا سے نہیں بچ سکتا''

ایسا بندہ ریا کا مرتکب ہو ہی جائے گا۔ تو انسان کو خلوت سے بھی محبت ہونی چاہیے۔ زندگی کا کچھ حصہ ایسا ہونا چاہیے کہ انسان تنہائی اختیار کرے، تہجد پڑھے، اپنے معمولات اس طرح سے کرے کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلے۔

☆......قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

كُلُّ بِنَاءٍ رِيَاءً فَهُوَ عَلٰى صَاحِبِهٖ لَا لَهٗ اِلَّا مَنْ بَنَى الْمَسَاجِدَ رِيَاءً فَهُوَ لَا لَهٗ وَلَا عَلَيْهِ (قصر الامل ابن ابی الدنیا، رقم: ۲۷۸)

''ہر عمارت جو ریا کی وجہ سے بنائی جاتی ہے وہ اس کے لیے اجر کا باعث نہیں ہوتی (عذاب کا باعث ہوتی ہے)۔ ہاں! کوئی ریاکاری کی وجہ سے مسجد بنا لے تو اجر ملے گا نہ عذاب ملے گا''

ریاکاری کی سزا:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ

''ریاکار قاری قیامت کے دن ''جب الحزن'' میں ڈالے جائیں گے''

(ابن ماجہ، رقم:۲۵۶)

یہ جہنم میں ایک ایسا گڑھا ہے کہ جس میں اتنی سخت سزا ہے اور آگ اتنی گرم ہے کہ جہنم کا جو باقی حصہ ہے وہ بھی اس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہے۔

ریا کی تو سمجھ آگئی کہ یہ کیا ہوتا ہے؟ اس کا علاج کیا ہے؟ اس کے لیے مشائخ نے کچھ باتیں بتائی ہیں ان پر عمل کرنا چاہیے۔

①......ریا کے نقصانات پر غور:

تَذَكُّرُ عَوَاقِبِ الرِّيَاءِ

''ریاکاری کے نقصانات پر غور کرے''

غور کریں کہ کچھ عمل گناہ ہوتے ہیں، مگر وہ نیکیوں کو ضائع نہیں کرتے۔ کسی نے جھوٹ بولا...... گناہ لکھا گیا، نیکیاں ضائع نہیں ہوئیں۔ کسی بندے نے چوری کی...... گناہ لکھا گیا، نیکیاں ضائع نہیں ہوئیں۔ کسی بندے نے رشوت لی...... گناہ لکھا گیا، نیکیاں ضائع نہیں ہوئیں۔ تو کچھ اعمال حرام ہیں، گناہ ہیں مگر ان کا مرتکب ہونے سے کی ہوئی نیکیاں ضائع نہیں ہوتیں۔ لیکن کچھ ایسے گناہ ہیں کہ جن سے کی ہوئی نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ کہ ان سے بہت زیادہ بچنے کی ضرورت

ہے۔

☆...... مثال کے طور پر شرک۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ (الزمر:۶۵)

(اے میرے پیارے حبیب!) اگر آپ بھی شرک کریں گے تو کیے ہوئے عملوں کو ضائع کر دیا جائے گا۔

☆......اسی طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اقدس میں بے ادبی کا ہونا۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ (الحجرات:۲)

''تمہارے اعمال ضائع کر دیے جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔''

☆......دل میں حسد کے آجانے سے بھی انسان کی نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں، حدیث شریف میں آیا:

((فَاِنَّ الْحَسَدَ يَاْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ))

(شعب الایمان للبیہقی، رقم:۶۱۸۴)

''حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے''

تو یہ اعمال جو گناہ بھی ہوتے ہیں اور نیکیوں کے ضائع ہونے کا بھی سبب بنتے ہیں یہ بہت نقصان دہ ہوتے ہیں۔

ریا بھی ان ہی اعمال میں سے ہے۔ یہ صرف گناہ ہی نہیں ہے بلکہ یہ کی ہوئی نیکیوں کے بھی ضائع ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔ اس پر اگر غور کریں گے تو دل کہے گا کہ بھئی! عمل کریں تو اللہ کی رضا کے لیے کریں، دکھاوے کے لیے کیوں عمل کریں؟ ہمارے تو کیے ہوئے عمل ہی ضائع ہو جائیں گے۔

②......ریا کاروں کی صحبت سے پرہیز:

اَلْاِنْسَلَاخُ مِنْ صُحْبَةِ الْمَعْرُوْفِيْنَ بِالرِّيَاء

ایک علاج یہ بھی ہے کہ جو دکھاوا کرنے والے لوگ ہوں، ان کی صحبت سے بچ کر رہیں، کیونکہ صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ جب ایسے لوگوں میں رہیں گے جو دنیا کی محبت اور دکھاوے میں مبتلا ہیں تو ہمارے اوپر بھی اسی کیفیت کا اثر ہو جائے گا۔ لہٰذا ایسے لوگوں سے بچ کر رہنے کی کوشش کریں۔

③......محاسبۂ نفس:

انسان اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے۔ کیونکہ جب نفس کی اصلاح نہیں ہوتی تو عام طور پر یہ جاہ پسند واقع ہوتا ہے اور اپنی تعریف چاہتا ہے۔ لہٰذا اس پر نظر رکھنے اور اسے قابو میں رکھنے کی بہت ضرورت ہے۔ اس لیے ہر آن اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہیں کہ اعمال کے کرنے میں کہیں دکھاوے کی نیت نہ آ جائے۔

④......اللہ سے مدد چاہنا:

اَلْاِسْتِعَانَةُ بِاللّٰهِ

اللہ سے مدد مانگیں۔

اس کے لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں بہت سی خوبصورت دعائیں بتائی ہیں۔ مثلاً ایک دعا ہے:

((اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِيْ مِنَ النِّفَاقِ وَ عَمَلِيْ مِنَ الرِّيَاءِ وَ لِسَانِيْ مِنَ الْكِذْبِ وَ عَيْنِيْ مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَ مَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ)) (کنز العمال، رقم: ۳۶۶۰)

''اے اللہ! پاک کر دے میرے دل کو نفاق سے اور عمل کو ریا سے اور زبان کو جھوٹ سے اور آنکھ کو خیانت سے بے شک تو آنکھ کی خیانت کو اور جو کچھ دل میں چھپا ہے اس کو بخوبی جانتا ہے''

کتنی خوبصورت دعا ہے ہم اس کو یاد کریں اور اللہ سے مانگا کریں۔

ایک اور دعا ہے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ وَ اَنَا اَعْلَمُ وَ اَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا اَعْلَمُ)) (کنز العمال، رقم: ۷۵۲۲)

''اے اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس شرک سے جسے میں جانتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں اس سے جو میرے علم میں نہیں''

یہ دعا بھی ریا سے بچنے کے لیے ہے۔ تو ان دعاؤں کو یاد کر کے اللہ سے مانگنے سے اللہ تعالیٰ بندے کو ریا کاری سے بچا لیتے ہیں۔

⑤......سوچنا کہ قضا وقدر اللہ کے ہاتھ میں ہے:

اَلتَّذَكُّرُ بِاَنَّ كُلَّ شَیْءٍ بِقَضَاءِ اللّٰهِ وَ قَدْرِهٖ وَ اَنَّ الْخَلْقَ عَاجِزُوْنَ

''بندہ یہ سوچے کہ جو معاملہ ہے وہ اللہ کے قضا اور قدر سے ہے اور مخلوق تو عاجز ہے۔'' (آفات علی الطریق: ۲/۱۳)

مخلوق نہ نفع دے سکتی ہے، نہ نقصان دے سکتی ہے، جو ہونا ہے وہ تو اللہ کے حکم سے ہونا ہے۔ لہٰذا مخلوق کو دکھاوے سے انسان کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟

اِنَّهُمْ لَنْ یُّغْنُوْا عَنْكَ شَیْئًا

ریا کی حقیقی وجہ:

ان تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جب دل اللہ تعالیٰ کی معرفت سے خالی ہو جاتا

ہے تو پھر مخلوق کی محبت سے بھر جاتا ہے۔ جب روشنی ختم ہو جاتی ہے تو اندھیرا خود بخود آ جاتا ہے، لانا نہیں پڑتا۔ اسی طرح جب دل سے اللہ رب العزت کی معرفت کی روشنی ختم ہو جاتی ہے تو مخلوق سے محبت کا اندھیرا خود بخود آ جاتا ہے۔ پھر انسان مکر وفن میں لومڑی کی طرح عیار بن جاتا ہے اور وہ دنیا کے مقاصد کی طرف اس تیز رفتاری سے بھاگتا ہے جس طرح تیز رفتاری سے شکاری کتا اپنے شکار کی طرف بھاگا کرتا ہے۔ بس ہر وقت اس کے دل میں دنیا...... دنیا...... دنیا بسی رہتی ہے۔ کس لیے؟ اس لیے کہ یہ دل اللہ کی معرفت سے خالی ہو گئے۔ ایک عربی شاعر نے عجیب اشعار کہے جس کا ترجمہ (مفہوم) اردو میں یہ ہے کہ

"میں جنگل کے ہرنوں پر قربان جاؤں جو چبا چبا کر بات نہیں کرتے اور ابروؤں کے رنگنے کے فن سے واقف نہیں ہوتے"

یعنی جو دنیا کے حسین ہوتے ہیں وہ تو کیا لیپ چڑھا لیتے ہیں۔ دیکھو تو شکل حور جیسی اور اگر منہ دھولیں تو چھوہارے جیسی۔ جبکہ اُن کا حسن نیچرل حسن ہے۔

اکابرینِ امت کا اپنے اعمال کو چھپانا

ہمارے اکابر اپنے اعمال کو کتنا چھپاتے تھے ذرا اس کی مثالیں سن لیجیے:

◉ ...... محمد بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گزرے ہیں، فرمایا کرتے تھے:

لَوْ اَنْ قَدَرْتُ اَنْ اَتَطَوَّعَ حَيْثُ لَا يَرَانِيْ مَلَكَايَ لَفَعَلْتُ وَ لٰكِنِّيْ لَا اَسْتَطِيْعُ ذٰلِكَ (مفتاح الافکار: ۳/۲۶۹)

"اگر یہ ممکن ہوتا کہ میں اپنے نیک اعمال اپنے فرشتوں سے بھی چھپا سکتا تو میں چھپا لیتا، لیکن یہ کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔"

سبحان اللہ کیا عجیب لوگ تھے!

⊙......ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے، ان کی عادت تھی کہ وہ ساری رات عبادت کرتے تھے، لیکن جب فجر کا وقت قریب آ جاتا تو ذرا کھٹکا کرتے جیسے کوئی بندہ وضو کرتا ہے۔ وہ آواز اس لیے کرتے تھے کہ دوسرے لوگ یہ سمجھیں کہ ابھی اس کی آنکھ کھلی ہے۔ ان کو یہ نہ پتہ چلے کہ یہ پوری رات جاگے ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء:۳/۸)

⊙......صحابہ کرام کے بارے میں بھی آتا ہے کہ روزے رکھتے تھے اور روزے رکھنے کی وجہ سے چہرے Dehydrated (نچڑے ہوئے) ہو جاتے ہیں، تو چہرے ایسے ہوتے تھے۔ وہ جب باہر نکلنے لگتے تھے تو چہرے پر تیل وغیرہ لگا لیتے تھے کہ چہرے پر تازگی آ جائے اور کسی بندے کو پتہ ہی نہ چلے کہ یہ اس وقت بھوک اور پیاس کا مجاہدہ کر رہا ہے۔ مخلوق سے چھپاتے تھے کہ ہم کس حال میں ہیں؟

⊙......داؤد بن ابی ہند رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گزرے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ انہوں نے چالیس سال مسلسل روزے رکھے۔ اور یہی بات صاحبِ ہدایہ کے بارے میں بھی کتابوں میں لکھی ہے۔ ممکن ہے صاحب ہدایہ نے بیس سال رکھے ہوں، یا تیرہ سال رکھے ہوں، جتنے عرصے میں انہوں نے ہدایہ لکھی ان کے بارے میں یہ لکھا گیا کہ اس دوران وہ مستقل نفلی روزے رکھتے تھے، لیکن نہ گھر والوں کو پتہ چلا نہ کام والوں کو پتہ چلا کہ یہ روزے رکھتے ہیں۔ گھر سے کھانا لے لیتے تھے کہ کھا لیں گے، گھر والے سمجھتے کہ کام پر جا کر کھائیں گے اور وہ راستے میں صدقہ کر دیتے۔ کام والے سمجھتے تھے کہ گھر سے کھا کر آئے ہیں، اس لیے نہیں کھا رہے۔ بیس سال یا چالیس سال یوں زندگی گزارنا کوئی آسان کام تو نہیں ہے۔

⊙......امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کی جب وفات ہوئی تو ان کو غسل دینے والے نے دیکھا کہ ان کے کندھے پر ایک کالے رنگ کا نشان ہے۔ اس نے گھر والوں سے

پوچھا کہ جی یہ کالا نشان کیوں ہے؟ انہوں نے کہا: ہمیں تو نہیں پتہ چلا کہ ان کے کندھے پر یہ نشان ہے۔سب کے لیے بڑی حیرت کی بات تھی کہ یہ کالا نشان بھی ہے اور کسی کو پتہ بھی نہیں۔ایک ہفتے کے بعد جو قریب کی بیوائیں تھیں، نادار، معذور اور غریب لوگ تھے ان کے گھروں سے آواز آئی کہ وہ کہاں گیا جو رات کے اندھیروں میں ہمارے گھر پانی پہنچایا کرتا تھا، تب پتہ چلا کہ وہ رات کے اندھیرے میں لوگوں کے گھروں میں اتنا پانی ڈال آتے تھے اور کسی کو خبر ہی نہیں ہوتی تھی۔ ہمارے اکابر اپنے عمل کو اس طرح چھپاتے تھے۔

⊙......سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ ہے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ملنے کے لیے تشریف لائے تو دیکھا کہ کچھ لوگوں کے نام لکھے ہوئے ہیں کہ ان کی خدمت کی ضرورت ہے۔آج تو بیٹا باپ کی خدمت مشکل سے کر پاتا ہے یا کرتا ہی نہیں، بوجھ ہوتی ہے۔ایک وقت تھا کہ ہمارے اسلاف اس کو بدن کی زکوٰۃ سمجھتے تھے۔یعنی جیسے روپے پیسے کی زکوٰۃ نکالتے ہیں اسی طرح وہ اس کو بدن کی زکوٰۃ سمجھتے تھے کہ میں کسی کی خدمت بدن سے کروں۔اس لیے اپنوں کی بھی کرتے تھے، دوسروں کی بھی کرتے تھے۔کوئی بوڑھا مل جاتا، کوئی نادار مل جاتا، کوئی ضرورت مند مل جاتا، کوئی مریض مل جاتا، اس کی خدمت اللہ کی رضا کے لیے کرتے تھے۔اس میں اپنا بدن تھکاتے تھے، اپنے اوپر اس کو ضروری سمجھتے تھے۔چنانچہ کچھ بوڑھے لوگوں کے نام لکھے ہوئے تھے کہ ان کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں ہے اور ان کو خدمت کی ضرورت ہے۔خدمت کیا ہوتی تھی کہ گھر میں باہر سے پانی لا کر ڈال دینا، چشمے یا کنویں سے پانی بھر کر گھر پہنچا دینا۔ان کے برتن دھو دینا، گھر میں جھاڑو دے دینا، بس یہ دو تین کام خدمت کہلاتے تھے۔چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ہر بندے کے نام کے سامنے جس

نے اس کی خدمت اپنے ذمے لی اس کا نام لکھا ہوا تھا۔ ایک بوڑھی عورت کا نام لکھا تھا، لیکن آگے جگہ خالی تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا ایڈریس نوٹ کر لیا کہ اچھا اس کی خدمت میں کروں گا۔

اب اگلے دن فجر کی نماز پڑھ کر گئے، دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا: اماں! میں خدمت کے لیے آیا ہوں۔ جواب ملا کہ بیٹے! کوئی خدمت کرنے والا رات کو آتا ہے اور یہ سارے کام کر کے چلا جاتا ہے۔ انہوں نے سوچا کہ اچھا! آئندہ میں تہجد کے وقت آؤں گا۔ اگلے دن جب تہجد کے وقت گئے، دروازہ کھٹکھٹایا، پتہ چلا کہ خدمت کرنے والا آیا اور خدمت کر کے چلا گیا۔ اماں! وہ کون ہے؟ کہنے لگی: مجھے نام کا تو نہیں پتہ، نہ میں نے کبھی پوچھا۔ قد کاٹھ کیسا ہے؟ بیٹا وہ آتا ہے تو کہتا ہے: اماں پردہ کر لو! میں کمرے میں چلی جاتی ہوں۔ سارے کام کرنے کے بعد آواز دے دیتا ہے کہ میں جا رہا ہوں تو میں باہر آ جاتی ہوں۔ آج تک میں نے اس کی شکل ہی نہیں دیکھی۔ وہ بھی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے، کہنے لگے: اچھا میں دیکھتا ہوں کون ہے؟ اگلی رات انہوں نے عشاء کی نماز پڑھی اور اس بڑھیا کے دروازے کے قریب آ کے چھپ کر بیٹھ گئے، جاگ کر رات گزاری۔ جب خوب اندھیرا ہو گیا، خاموشی چھا گئی، لوگ گہری نیند میں چلے گئے، اس وقت انہوں نے دیکھا کہ ایک طرف سے کوئی بندہ بہت آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس بڑھیا کے دروزے کے قریب آ رہا ہے۔ جب بہت قریب آ گیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تو کون ہے؟ جواب میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آواز آئی کہ میں ابو بکر ہوں۔ حیرانی کی بات یہ کہ انہوں نے جوتا بھی نہیں پہنا ہوا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ امیر المؤمنین! آپ کے پاس جوتا تھا نہیں یا آپ جوتا اتار کر یہاں آ رہے ہیں؟ جواب دیا کہ میں نے ارادتاً جوتا گھر میں اتار دیا کیونکہ یہ لوگوں کے سونے کا وقت

ہے اور میں نہیں چاہتا کہ میرے جوتوں کی آواز سے کسی کی نیند میں خلل آئے۔ سبحان اللہ! خدمت بھی خود کر رہے ہیں اور لسٹ میں اپنا نام بھی نہ لکھا کہ کسی کو پتہ ہی نہ چلے کہ اس بڑھیا کی خدمت وقت کا امیر المؤمنین کر رہا ہے۔ یہ اخلاص ہوتا ہے۔

(الکامل فی التاریخ: ۲/ ۲۷۰)

عمل میں ریا ہو تو کیا عمل چھوڑ دے؟

اب یہاں ایک سوال ہے کہ انسان اگر یہ محسوس کرے کہ میں ریا کا عمل کر رہا ہوں تو کیا عمل چھوڑ دے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ عمل چھوڑے نہیں کرتا رہے، مگر نیت کو ٹھیک کرنے کی بھی کوشش شروع کر دے اور اللہ سے دعا بھی مانگے۔ اس لیے کہ عمل پہلے عادت بنتا ہے پھر عبادت بنا کرتا ہے۔ تو اگر عمل ہو رہا ہے تو عمل کو نہ چھوڑے پھر تو سرے سے ہی محرومی ہو جائے گی۔ اس عمل میں اخلاص پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

عمل کے نہ ہونے سے ہونا بہتر ہے:

چنانچہ ایک بزرگ سے کسی نے کہا کہ حضرت! آپ کا مرید تو ریائی ذکر کرتا ہے، دکھاوے کا ذکر کرتا ہے۔ انہوں نے فرمایا: بھئی! اس کے پاس تو ٹمٹماتا چراغ ہے، تمہارے پاس تو ٹمٹماتا چراغ بھی نہیں ہے۔ تو نہ ہونے سے تو ہونا بہتر ہے۔ اس لیے اگر کوئی عمل ریا کی وجہ سے کرتے ہیں تو عمل نہیں چھوڑنا چاہیے۔ شیطان تو یہی سکھائے گا کہ چھوڑو عمل کو۔ لیکن عمل نہیں چھوڑنا، بلکہ عمل میں اخلاص پیدا کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ ؎

وہ ریا جس سے عابد تھے طعنہ زن
پہلے عادت پھر عبادت ہو گئی

کرنے والے کچھ تو کر رہے ہیں ہم تو وہ بھی نہیں کر پا رہے۔ ؎

سودا قمارِ عشق میں شیریں سے کوہکن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

بھئی! اگر لوگ ریا والے عمل کرتے ہیں تو ہم تو وہ بھی نہیں کر پاتے۔ ہم تو ان سے بھی گئے گزرے لوگ ہوئے۔ ہاں یہ ذہن میں رکھیں جس کو اللہ تعالیٰ عمل کی پابندی عطا فرما دیتے ہیں تو پھر رقتِ قلب اس کی لونڈی ہوتی ہے اور اخلاص اس کا ثمر ہوا کرتا ہے۔ عمل پر دوام مل جانا، استقامت مل جانا، مداومت مل جانا، یہ خیر کی دلیل ہوتی ہے۔

''لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ'' کا مطلب؟

یہاں پر ایک اور بھی سوال پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ قرآن مجید کی آیت ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾

''تم وہ بات کیوں کہتے ہو جس کو کرتے نہیں؟''

اس کو سن کر لوگ تو خیر کی بات بھی کسی کے سامنے نہیں کرتے کہ جی ہم تو بڑے گناہ گار ہیں ہم کسی کو کیا کہیں؟ یہ سمجھنا درست نہیں۔ مفسرین نے یہ لکھا کہ اس آیت کا تعلق دعوٰی سے ہے، دعوت سے نہیں ہے۔ دعوی سے مراد دعوے کرنا۔ جیسے میں تو جی تہجد پڑھتا ہوں، حالانکہ پڑھتے نہیں۔ میں تو جی فلاں کام کرتا ہوں، کرتا نہیں۔ تو دعوٰی سے اس کا تعلق ہے دعوت سے تعلق نہیں ہے۔ دعوت کا حکم یہ ہے تم جیسے بھی ہو

دین کی دعوت دو، خیر کی بات کرو۔ ہاں! اس کی برکت سے اللہ تمہیں بھی عمل کی توفیق عطا فرما دیں گے۔

شیخ کو اپنے اعمال بتانا ریا نہیں:

حدیثِ پاک میں ہے: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بہت اچھی قاری تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو کوئل جیسی آواز عطا کی تھی۔ بہت پیاری تلاوت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ قرآن مجید پڑھ رہے تھے کہ اس دوران نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن سنا۔ جب انہوں نے قرآن مکمل کیا تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے بہت اچھا قرآن پڑھا۔ تو انہوں نے آگے سے کہا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! اگر مجھے پتا ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو میں اور زیادہ اچھا پڑھتا۔ (المستدرک للحاکم، رقم: ۵۹۶۶)

اب ذہن میں اشکال وارد ہوتا ہے کہ ریا مخلوق کے دکھاوے کو کہتے ہیں جب کہ یہاں تو صحابی کہہ رہے ہیں کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے پتہ ہوتا تو میں اور اچھا قرآن پڑھتا۔

تو محدثین نے اس کا جواب دیا کہ نبی علیہ السلام کی رضا درحقیقت اللہ رب العزت کی رضا ہے۔ تو محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو خوش کرنا درحقیقت اللہ کو خوش کرنا ہے۔ اس لیے یہ چیز اُس مخلوق والے زمرے میں نہیں آتی۔ اور ہمارے مشائخ نے یہاں لکھا کہ شیخ کے ساتھ تعلق، دین کا تعلق ہوتا ہے۔ اور کئی مرتبہ مرید کے عمل سے شیخ خوش ہوتے ہیں تو ذہن میں یہ نہ رکھیں کہ مخلوق خوش ہو رہی ہے۔ نہیں، دین کی نسبت کی وجہ سے ان کا دل بھی اگر خوش ہوا تو یوں سمجھیں کہ ان کی خوشی میں اللہ کی رضا موجود ہے۔ جیسے ماں باپ کے دل کو خوش کرنا۔ شریعت نے کہا: جو ماں باپ کا دل خوش کرے گا اللہ کو خوش کرے گا۔ تو یہ تعلق چونکہ اللہ کی نسبت سے ہے۔ اس لیے یہ نہ

سوچیں: ''میں نفل پڑھتا ہوں تو شیخ کو کیسے بتاؤں؟ یہ تو مخلوق کو بتانے والی بات ہے'' نہیں، شیخ سے تعلق ہی اور طرح کا ہے، ان کو پتہ بھی چل گیا تو وہ خوش بھی ہو گئے تو یہ چیز ریا نہیں کہلائے گی، بلکہ ان کی خوشی اللہ کی رضا کہلائے گی۔

اس لیے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں تفصیل لکھتے ہیں کہ شیخ کامل کے دل کو خوش کرنا اللہ کے ہاں دعائے مستجاب کا درجہ رکھتا ہے کہ جس کے کسی عمل کی وجہ سے اس کے شیخ کا دل خوش ہوا، ایسا ہی ہے اس کو ایک مقبول دعا نصیب ہوگئی۔ تو یہ اشکال ختم ہو گیا کہ مخلوق میں جن سے دین کا تعلق ہے وہ اس سے الگ ہیں۔ ریا کا معاملہ دنیاوی تعلقات کے ساتھ ہے۔

گناہ کو چھپانا لازم ہے:

یہاں طالب علم کے ذہن میں ایک اور اشکال وارد ہوتا ہے کہ نیک اعمال کو ظاہر کرنا تو ریا کاری ہے اس لیے انہیں چھپانا چاہیے، اپنے گناہوں کو چھپانا چاہیے یا ظاہر کر دینا چاہیے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ

اِخْفَائُهَا لَيْسَ مِنَ الرِّيَاءِ بَلْ هُوَ وَاجِبٌ شَرْعِيٌّ

''گناہوں کو چھپانا یہ ریا نہیں، بلکہ وہ شرعاً بندے پر واجب ہوتا ہے''

اس لیے گناہوں کو چھپانا ریا نہیں کہلائے گا۔ جو اپنے گناہ کو ظاہر کرے تو اسے گناہ کا عذاب الگ ہوگا اور اظہار کا عذاب الگ ہوگا۔

فرمایا:

((كُلُّ اُمَّتِىْ مُعَافًى اِلَّا الْمُجَاهِرِيْنَ)) (صحیح البخاری، رقم: ۵۶۰۸)

سب کی معافی ہو جائے گی سوائے اس بندے کے جو اپنے گناہوں کو لوگوں کے سامنے بتاتا پھرتا ہو۔

شیخ کو اپنے عیوب بتانے کا مقصد:

اب یہاں ایک اور بات ذہن میں آتی ہے کہ اگر کسی کے سامنے بھی گناہ تذکرہ منع ہے تو پھر شیخ کے سامنے کیوں کریں؟ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ جیسے آپ کی ران کے اوپر ایک پھوڑا نکل آیا، اب حکم تو یہی ہے کہ آپ کی ران ستر عورت میں داخل ہے اسے چھپانا چاہیے۔ لیکن جب بیمار ہو گئے تو اب مجبوری ہے طبیب کو دکھانا پڑے گا۔ کیونکہ اس کے بغیر علاج ہی نہیں ہوگا۔ تو شیخ کے سامنے اپنی کسی بری عادت یا گناہ کا تذکرہ کرنا علاج کی نیت سے ہوتا ہے، وہ جائز ہو جاتا ہے۔ اب اگر وہ کہے کہ جی میں تو یہ پھوڑا نہیں دکھا سکتا تو پھر علاج تو نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح روحانی مریض کو بھی شیخ کو بتانا پڑے گا کہ حضرت! میں نگاہوں پر کنٹرول نہیں کر پاتا، مجھے طریقہ بھی بتائیں اور دعا بھی کریں۔ اس لیے یہ بات سمجھ لیں کہ سب لوگوں سے گناہوں کو چھپانا واجب ہے، البتہ شیخ کو اگر کسی وقت انسان بتا دیتا ہے تو وہ اصلاح کی نیت سے علاج معالجے کی نیت سے بتاتا ہے۔

کوئی ریا کار کہے تو برا نہ منائیں:

ایک نکتہ: اگر کوئی ہمیں کہے ریا کار تو اس کا برا نہیں منانا چاہیے۔ کیونکہ ہمارے عمل ایسے ہیں تو سہی جن میں ریا ہوتی ہے۔

کسی بندے نے مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا:

يَا مُرَاءِيْ اے ریا کار!

انہوں نے جواب دیا:

مَتٰى عَرَفْتَ اِسْمِيْ؟ مَا عَرَفَ اِسْمِيْ غَيْرُكَ (الزھد والرقائق: ۱/۹۳)

تجھے میرے نام کا کیسے پتہ چلا؟ تیرے سوا کسی کو میرے نام کا پتہ نہ چل سکا۔
تجھے میرے نام کا صحیح پتہ چل گیا۔

ریاکار کے لیے چار عذاب

اب ایک آخری بات جو آج کے بیان کے متعلق ہے اور یہ لب لباب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ دستور ہے کہ جیسا گناہ ہوتا ہے ویسی سزا ہوتی ہے، جیسی نیکی ہوتی ہے ویسی جزا ہوتی ہے۔ اس اصول کا نام ہے: اَلْجَزَاءُ مِنْ جِنْسِ الْعَمَلِ ''جیسا عمل ویسا اس کا بدلہ'' اب ریاکار کیونکہ دکھاوا کرتا ہے تو ریاکار کو جو عذاب ہوگا وہ بھی چار طرح کا ہوگا۔

① اللہ تعالیٰ کی نظروں سے گر جانا:

جس کی نظر خالق پر ہو وہ مخلوق کو بھول جاتا ہے اور جو لوگوں میں اپنی ایسی صفات ظاہر کرے جو اس میں نہ ہوں وہ اللہ کی نظر گر جاتا ہے۔ چونکہ یہ مخلوق کے سامنے ایسے عمل ظاہر کر رہا ہے جو عمل اس کے ہیں نہیں تاکہ مخلوق اسے اچھا سمجھے۔ تو چونکہ مخلوق کے اچھا سمجھنے کے لیے ظاہر کر رہا ہے، وہ تو اچھا کیا سمجھے گی البتہ یہ اللہ کی نظر سے گر جائیں گے۔ ریاکاری کی کتنی بڑی سزا ہے کہ مخلوق کی نظر میں اچھا بنتے بنتے انسان اللہ کی نظر میں گر جاتا ہے۔

﴿وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ﴾

''جسے اللہ ذلیل کرنے پر آجاتا ہے پھر اسے عزت دینے والا کوئی نہیں ہوتا''

تو سوچیے کہ ریاکاری کی یہ سزا کتنی سخت ہے کہ ریاکار انسان کیونکہ مخلوق کی نظر میں اچھا بننا چاہتا ہے، اب اسے سزا یہ ملے گی کہ اللہ رب العزت کی نظر سے گر جائے

گا۔

۲......بارگاہِ خداوندی میں سجدے سے محرومی:

دوسری بات قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جب ''ساق'' کی تجلی فرمائیں گے تو سب مخلوق سجدے میں چلی جائے گی، ایمان والے سجدے میں چلے جائیں گے البتہ کفار بھی سجدہ نہیں کر سکیں گے، مشرک منافقین بھی سجدہ نہیں کر سکیں گے اور ریا کار بھی سجدہ نہیں کر سکے گا۔

وَلَا يَبْقٰى مَنْ كَانَ يَسْجُدُ اتِّقَاءً وَرِيَاءً اِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ ظَهْرَهٗ طَبَقَةً وَّاحِدَةً (المسلم، رقم:۲۶۹)

جو ریاکاری کے سجدے دنیا میں کیا کرتا تھا اس کی کمر سیدھی اکڑ جائے گی اور سجدہ کرنے پر قادر نہیں ہوگی۔ اللہ اس کو سجدے کی توفیق ہی نہیں دیں گے۔تو سجدے کرتا تھا لوگوں کو دکھانے کے لیے آج میرے سجدہ کرنے والوں میں تو شامل نہیں ہوگا۔

۳......ریاکاروں کے گروپ میں داخلہ:

حدیث پاک میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ قَامَ يَخْطُبُ لَا يَلْتَمِسُ بِهَا اِلَّا رِيَاءً وَ سُمْعَةً))

جو بندہ تقریر کرے خطبہ دے اور مقصد ہو لوگوں کو متاثر کرنا اور لوگوں کی نظر میں بڑا خطیب بننا اور داد چاہنا، نعرے لگوانا۔

فرمایا:

((اَوْقَفَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَوْقِفَ رِيَاءٍ وَ سُمْعَةٍ))

(مسند احمد، رقم: ۱۵۴۹۳)

''اللہ قیامت کے دن اس کو ریا کاروں کی جگہ پر کھڑا فرمائیں گے''

یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ریا کاروں کو الگ گروپ بنا کر اس میں کھڑا کریں گے، یہ سب ریا کار لوگ ہیں۔تو تیسری سزا قیامت کے دن ریا کاروں کے گروہ میں شامل کرلیا جائے گا۔

④......روزِ محشر کی رسوائی:

چوتھی سزا سب سے زیادہ دردناک سزا ہے۔وہ یہ ہے کہ جو انسان اچھا بننے کے لیے دنیا میں لوگوں کو اپنی نیکیاں دکھا رہا ہے، اللہ اس کو یہ سزا دیں گے کہ قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے اس کے عیبوں کو کھول دیں گے۔اس سے بڑی سزا اور کوئی نہیں ہوسکتی۔سچی بات یہ ہے کہ اگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندے کو یہ چوائس دے دیں کہ

باپ! ہم تیرے کرتوت تیری اولاد کے سامنے کھولتے ہیں۔
بیوی! ہم تیرے کرتوت تیرے خاوند کے سامنے،
خاوند! ہم تیرے کرتوت تیری بیوی کے سامنے کھولتے ہیں۔
صوفی صاحب! ہم تیرے عیب تیرے پیر کے سامنے
اور پیر! تیرے عیب تیرے مرید کے سامنے کھولتے ہیں۔

اگر اللہ چوائس دے دیں کہ ہم تیرے یہ عیب کھول دیتے ہیں یا تم خود ہی جہنم میں چلے جاؤ۔ہم یہی کہیں گے کہ اللہ! ہمارے عیب اللہ کے حبیب ﷺ کے سامنے اور مخلوق کے سامنے نہ کھولنا ہم خود ہی جہنم میں چلے جاتے ہیں۔یہ کوئی چھوٹی سزا نہیں ہے، یہ بہت بڑی سزا ہے کہ اللہ تعالیٰ ریا کار بندے کے عیبوں کو قیامت کے دن خود

کھولیں گے تو ہم دعائیں کریں تمنائیں کریں کہ قیامت کے دن اللہ بھی ہمارے عیبوں کو چھپائے رکھے اور اللہ کے حبیب ﷺ بھی اپنی شفاعت کی چادر عطا فرمادیں۔ تو ہم دعا مانگتے ہیں: ؎

اپنے دامانِ شفاعت میں چھپائے رکھنا
میرے سرکار میری بات بنائے رکھنا

اے اللہ! آپ نے دنیا میں ہمارے عیبوں کے اوپر پردے ڈال دیے، اے اللہ کے حبیب ﷺ! قیامت کے دن اپنی شفاعت عطا فرمادینا۔ ہماری بگڑی بات بنائے رکھنا۔ ہم تو دعائیں مانگتے ہیں: اللہ ہمیں اس دن کی رسوائی سے بچائے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ دعا مانگ رہے تھے: اللہ! میرے گناہوں کو معاف فرما دیجیے! معاف کر دیجیے اور پھر کہا: یا اللہ! اگر آپ نے فیصلے کرلیا ہے کہ مجھے معاف نہیں کرنا تو پھر قیامت کے دن مجھے اندھا کھڑا کر دینا تاکہ مجھے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے رسوائی نہ اٹھانی پڑے۔

تو ریاکار انسان دنیا میں لوگوں کے سامنے اچھا بننے کے لیے عمل کرتا ہے، اس کی سزا قیامت کے دن یہ ملے گی کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیبوں کو لوگوں کے سامنے کھولیں گے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ریاکاری سے محفوظ فرمائے، ہمارے عیبوں کو دنیا میں بھی چھپالے اور قیامت کے دن بھی ہم پر اپنی رحمت کی چادر ڈال دے۔

﴿وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

اقتباس

دو بڑی نعمتیں ہیں: ایک اخلاق اور دوسری اخلاص۔ اخلاص اللہ تعالیٰ کے ساتھ نصیب ہو جائے اور اخلاق اس کی مخلوق کے ساتھ نصیب ہو جائے۔ اچھے اخلاق اور اخلاص یہ دونوں ذکر وسلوک کی وجہ سے بندے کو نصیب ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے انسان جب اس راستے پر چلتا ہے تو پہلے ذکر کی عادت ڈالتا ہے، پھر کچھ عرصے کے بعد وہ عبادت بنتی ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ وہ انسان کے لیے لذت بن جاتی ہے۔ تو عادت، عبادت اور لذت، یہ تین سیڑھیاں چڑھ کر انسان ایسی زندگی گزارتا ہے کہ اس کا جسم بھی عبادت کا طلب گار ہو جاتا ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ﴾ (الانبیاء:۹۴)

تصوف وسلوک کا مقصد

بیان: محبوب العلماء والصلحاء، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم
تاریخ: 4 اکتوبر 2004ء بروز سوموار ۱۹ شعبان، ۱۴۲۵ھ
موقع: دسواں سالانہ تربیتی نقشبندی اجتماع (بعد نمازِ مغرب)
مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

تصوف وسلوک کا مقصد

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
﴿وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا کُفْرَانَ لِسَعْیِہٖ وَاِنَّا لَہٗ کَاتِبُوْنَ﴾ (الانبیاء:۹۴)
سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

طالب صادق کی اللہ کے ہاں قدر:

﴿وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ﴾ ''جو بھی نیک اعمال کرتا ہے'' ﴿وَھُوَ مُؤْمِنٌ﴾ ''اور وہ مومن ہو'' ﴿فَلَا کُفْرَانَ لِسَعْیِہٖ﴾ ''تو ہم اس کی کوشش کی ناقدری نہیں کرتے'' ﴿وَاِنَّا لَہٗ کَاتِبُوْنَ﴾ ''اور ہم اسے لکھ لیتے ہیں''۔ انسان جو بھی اعمال کرتا ہے ان سب کا منشا اور مقصد اللہ رب العزت کی رضا ہوتی ہے۔ ان اعمال کا مطمحِ نظر یہی ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کے ہاں قبول ہو جائیں، اسی لیے اپنے اعمال کو بہتر سے بہترین بنانے کے لیے مومن فکر مند رہتا ہے۔ جس طرح آج کل کا کارخانہ دار اپنی چیز کو بہتر سے بہترین بنانے کے لیے سوچتا ہے، سرمایہ استعمال کرتا ہے، محنت کرتا ہے، اور اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ میری چیز جب گاہک کے ہاتھوں میں جائے تو اسے ہاتھوں ہاتھ لے لیا جائے۔ اسی طرح مومن بھی اسی کوشش میں لگا رہتا ہے کہ کیسے میرے اعمال ایسے بن جائیں کہ میرے مالک کو پسند آ جائیں۔ دعائیں مانگ

رہا ہوتا ہے کہ اے اللہ! مجھے ایسا بنا دے کہ میں آپ کو پسند آجاؤں۔ یہی مقصدِ زندگی ہے اور اسی کی خاطر آج ہم یہاں جمع ہوئے ہیں۔

تصوف وسلوک کا بنیادی مقصد

تصوف وسلوک کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان اپنے ظاہر و باطن کی تعمیر کرے، ظاہر و باطن کی اصلاح کرے، اس کے لیے فکر مند ہو۔ چنانچہ جو انسان اپنے باطن کو منور کرنے کے لیے فکر مند ہو، اسے ''صوفی'' کہتے ہیں۔ جو انسان اللہ کی تلاش میں نکلے اور اس کی رضا جوئی کے راستے پر چل رہا ہو، اسے ''سالک'' کہتے ہیں۔ ہمارے مشائخ نے تصوف وسلوک کی محنت کی اہمیت کو مختلف انداز میں بیان کیا ہے:

◉ نیت کی درستگی، احتساب کے ساتھ:

ایک بزرگ سے پوچھا گیا: حضرت! تصوف کا کیا مقصد ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: کہ صبح سے شام تک ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں اس کو نیت اور احتساب کے ساتھ کرنے لگ جائیں، یہی تصوف ہے۔ صبح سے شام تک جو اعمال بھی ہم کریں، ان کو تصحیحِ نیت کے ساتھ اور احتساب کے ساتھ کرنے لگ جائیں۔ یعنی خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت ہو اور عمل کرنے کے بعد فراغت نہیں، بلکہ اپنا محاسبہ ہو۔

یہ احتساب بہت ضروری ہے۔ آج کل دفاتر میں جب سالانہ آڈٹ ہوتا ہے، اس ٹیم کے آنے سے پہلے جو انٹرنل آڈٹ کیا جاتا ہے۔ اس وقت آپ اکاؤنٹ برانچ کے لوگوں کو دیکھیں گے، بھاگے پھر رہے ہوں گے۔ یہ سٹیٹ منٹ اس سے نہیں مل رہی، اس کا بل نہیں مل رہا۔ اگر کوئی ان سے پوچھے کہ جی آپ کیوں پریشان ہیں؟ وہ

کہیں گے کہ جی آڈٹ ٹیم نے آنا ہے، اور ہماری کوئی بھی کمی کوتاہی ہوگی تو وہ ہمارا مؤاخذہ کریں گے۔ ہمیں ان سے پہلے پہلے اپنے اکاؤنٹ کو درست کرنا ہے۔ ہو بہو مومن کی یہی حالت ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ رب العزت کے سامنے میرے نامۂ اعمال نے پیش ہونا ہے۔ اس سے پہلے پہلے میں انٹرنل آڈٹ کے ذریعے اپنے اعمال کو ٹھیک کرلوں۔

تو ہمارا ابھی آج وقت ہے سٹیٹ منٹ کو ملانے کا، فگر (Figure) کو صحیح کرنے کا، اپنی کمی کوتاہی کو پورا کرنے کا۔ کیسی ہی کمی کوتاہی کیوں نہ ہو، جب تک زندگی ہے انسان اس کمی کو پورا کرسکتا ہے، موت کے وقت یہ نعمت چھن جائے گی۔ تو یہ محاسبہ انٹرنل آڈٹ ہے ہر بندے کا۔ اس لیے فرمایا

((حَاسِبُوْا اَنْفُسَكُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسِبُوْا))(کنز العمال:۴۴۲۰۳)

''تم اپنا محاسبہ کرو، اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔''

تصوف وسلوک کو کتنے پیارے انداز سے سمجھایا کہ ہم جو کچھ دن بھر میں کرتے ہیں اس کو تصحیحِ نیت اور احتساب کے ساتھ کرنے لگ جائیں یہ تصوف ہے۔

⊙ دل عبادت کا طلب گار بن جائے:

ایک دوسرے بزرگ تھے، ان سے پوچھا گیا: حضرت! تصوف وسلوک کیا ہوتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: جس طرح انسان کا جسم کھانے اور پینے کا طلب گار رہتا ہے، انسان کا دل عبادت کا ایسا ہی طلب گار بن جائے، اس کو تصوف کہتے ہیں۔

آپ اگر کچھ دیر کھائیں نہ پییں تو بیٹھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ انسان بھوک پیاس سے لاچار ہو جاتا ہے۔ پانی نہ پیے تو پیاس کی شدت سے انسان کا وقت گزارنا مشکل ہو جاتا ہے۔ تو یہ کھانا اور پینا انسان کے بدن کی ضروریات ہیں۔ اس لیے کسی نے کہا:

دنیا میں پیٹ سے زیادہ صحیح الارم بجانے والی گھڑی اور کوئی نہیں۔ سوئے ہوئے بندے کو بھی بھوک کی وجہ سے جاگ آجاتی ہے۔ تو جس طرح جسم کھانے اور پینے کا طلب گار ہے اسی طرح ہمارا دل عبادت کا طلب گار بن جائے۔ ہم نماز نہ پڑھیں تو چین نہ آئے، ذکر نہ کریں تو چین نہ آئے۔ تلاوتِ قرآن مجید کے بغیر ہمیں دن اچھا نہ لگے۔ اس لیے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

''اے اللہ! دن اچھا نہیں لگتا مگر تیری یاد کے ساتھ اور رات اچھی نہیں لگتی مگر تجھ سے راز و نیاز کے ساتھ۔''

یہ تصوف ہے۔

◎ اصلیت پیدا ہو جائے:

ایک اور بزرگ سے پوچھا گیا: حضرت! تصوف وسلوک کسے کہتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: ''ہمارے اندر اصلیت پیدا ہو جائے، اسے تصوف کہتے ہیں''۔ پوچھنے والے نے کہا: حضرت! ذرا وضاحت فرمائیں۔ انہوں نے کہا: دیکھو بھئی! آج ہمارے اندر ظاہر ہے، باطن نہیں ہے، صورت ہے، حقیقت نہیں۔ یوں سمجھیں کہ

......نمک ہے، نمکینی نہیں۔

......شکر ہے، مگر شیرینی نہیں۔

......دل ہے، اللہ کا ذکر نہیں۔

......زبان ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں۔

چنانچہ ہمارے اندر اصلیت پیدا ہو جائے۔ وہ محبت الٰہی جس کے لیے اللہ رب العزت نے انسان کو بنایا وہ دل کے اندر بھر جائے، دل کا برتن اس نعمت سے لبریز ہو جائے۔ آج اس محبت الٰہی کی کمی ہے۔ اسی لیے تو عبادات میں سستی ہوتی ہے۔ اس

لیے تو شاعر نے کہا: ؎

کس قدر تجھ پر گراں صبح کی بیداری ہے
ہم سے کب پیار ہے، ہاں نیند تمہیں پیاری ہے

اگر اللہ تعالیٰ کی محبت سے دل لبریز ہو تو رات کے آخری پہر خود بخود بندے کی آنکھ کھلتی ہے۔ ؎

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی
لبھاتا ہے دل کو بیان خطیب
مگر لذتِ شوق سے بے نصیب
وہ صوفی کہ تھا خدمت حق میں مرد
محبت میں یکتا امانت میں فرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا
وہ سالک مقامات میں کھو گیا
بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

ایک وقت تھا کہ جب مومن کا سینہ اللہ رب العزت کی محبت کی حرارت سے بھرا ہوتا تھا، آج وہ محبت کے انگارے نظر نہیں آتے، آج راکھ کا ڈھیر بن گیا، وہ عشق کی آتش ٹھنڈی ہو چکی۔ نفسانیت کی ٹھنڈی ہواؤں نے اس عشق کی آتش کو بجھا کر رکھ دیا۔

تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
کھویا گیا ہے تیرا جذبِ قلندرانہ

وہ بندگی خدائی یہ بندگی گدائی
یا بندۂ خدا بن یا بندۂ زمانہ
تعمیرِ آشیاں سے میں نے یہ راز پایا
اہلِ جنوں کے حق میں بجلی ہے آشیانہ

⊙ یقین پکا ہو جائے:

ایک اور بزرگ سے پوچھا گیا: حضرت! تصوف وسلوک کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ''پختنِ خیال'' یعنی یقین پکا ہو جائے۔ آج آخرت کے بارے میں عقیدہ تو ہم رکھتے ہیں، مگر ہمارا یقین ایسا پختہ نہیں، جیسا ہونا چاہیے۔ اگر گناہوں پر قیامت کے دن ذلت ورسوائی کا پختہ یقین ہو تو انسان کبھی قدم نہ اٹھائے۔ اس یقین میں کمزوری ہوتی ہے، اس لیے گناہ کا صدور ہوتا ہے۔ تو ''پختنِ خیال'' کا مطلب یہ کہ وہ یقین سے اضبط ہو جائے۔

یہ نعمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل تھی، اس لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ محراب میں کھڑے ہو کر دنیا کو مخاطب کر کے فرماتے تھے:

يَا صَفْرَاءُ يَا بَيْضَاءُ غُرِّي غَيْرِيْ (مصنف ابن شیبہ، رقم: ۳۳۵۷۱)

''اے سونا! اے چاندی! کسی اور کو دھوکا دے!''

یعنی میں تیرے دھوکے میں آنے والا نہیں۔

اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جنت اور جہنم کے ہونے پر اتنا یقین ہے کہ اگر جنت اور جہنم میری آنکھوں کے سامنے بھی آ جائیں تو میرے اندر یقین میں ذرہ برابر بھی اضافہ نہ ہو۔

ایمان بالغیب اتنا پختہ ہو کہ جیسے انسان کو حق الیقین حاصل ہو جاتا ہے۔ جب

انسان ذکر وسلوک میں قدم بڑھاتا ہے تو اسے پھر یہ نعمت نصیب ہو جاتی ہے۔ دل کا یقین پختہ ہو جاتا ہے۔ حلال اور حرام کے درمیان تمیز نصیب ہو جاتی ہے۔

آج جس آدمی کو یقین ہو کہ مجھے دیکھا جا رہا ہے تو وہ کوئی الٹی سیدھی حرکت نہیں کرتا۔ بڑے بڑے سٹورز پر ویڈیو کیمرے لگے ہوتے ہیں، ہر چیز کھلی پڑی ہوتی ہے کوئی نہیں اٹھاتا۔ کیونکہ اسے پتہ ہوتا ہے کہ اگر میں نے چوری کی تو دروازے تک پہنچنے سے پہلے مجھے پکڑ لیا جائے گا۔ جس طرح اس خریدار کو یہ یقین حاصل ہے اسی طرح مومن کو یہ یقین حاصل ہوتا ہے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں میرا پروردگار مجھے دیکھ رہا ہے۔ اگر میں نے حکم کی خلاف ورزی کی تو قیامت کے دن مجھے پروردگار کی عدالت میں کھڑا کر دیا جائے گا۔

ایک نوجوان نے کسی غیر محرم سے تذکرہ کیا کہ مجھے تم سے محبت ہے اور میں تم سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے جواب دیا کہ جتنی تمہیں مجھ سے محبت ہے میرے دل میں کشش اس سے بھی زیادہ ہے، مگر میں قیامت کے دن کی رسوائی سے ڈرتی ہوں۔ اس ایک فقرے نے اس بدکار نوجوان کی زندگی کو بدل کر رکھ دیا۔ اس نے توبہ کی اور بعد میں وہ بڑے اولیاء اللہ میں شامل ہو گیا۔

تصوف......حضرت خواجہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں:

حضرت خواجہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: تصوف وسلوک کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا:

''شریعت میں جو کچھ اجمالی ہے وہ تفصیلی ہو جائے، جو استدلالی ہے وہ کشفی ہو جائے۔''

بہت ہی کامل جواب دیا کہ شریعت میں جن چیزوں پر ہم اجمالی طور پر یقین

رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی تفصیل نصیب فرمادے اور جن کو ہم فقط دلائل کے طور پر مانتے ہیں، ہم ذوق اور وجدان کے طور پر انہیں ماننے لگ جائیں۔

تصوف کی محنت ہر ایک کے لیے ضروری ہے:

اسی لیے تصوف وسلوک وہ محنت ہے جو ہر بندے کے لیے کرنی ضروری ہے۔ اگر دنیا میں جسم کی بیماریاں ہیں تو جسمانی طبیب ہوتے ہیں تو اگر روحانی بیماریاں ہیں تو کیا روحانی طبیب نہیں ہوں گے؟ جسمانی بیماریوں کے ہسپتال تو ہر شہر کے گلی کوچوں میں ہوتے ہیں۔ تو کیا روحانی بیماریوں کے لیے خانقاہیں نہیں ہوں گی۔ غور کیجیے! کوئی حسد میں مبتلا، کوئی تکبر میں مبتلا، کوئی بدنظری کا مریض، کوئی عشقِ مجازی میں گرفتار، کوئی خود پسندی کا شکار، کوئی اپنے غصے کی وجہ سے پریشان، ان لوگوں کی مصیبتوں اور پریشانیوں کا کچھ تو مداوا ہونا چاہیے۔ وہ کہاں ہوتا ہے؟ جن جگہوں پر پردہ ہوتا ہے ان جگہوں کو ''خانقاہ'' کہتے ہیں۔ اور جس محنت سے ان کا علاج ہوتا ہے اس محنت کو ''تصوف وسلوک'' کہتے ہیں۔

کیا تصوف قرآن سے ثابت ہے؟

ایک صاحب پوچھنے لگے: جی! تصوف کا لفظ کہیں قرآن پاک میں استعمال نہیں ہوا۔ کیا عجیب بات فرمائی! ......اب ایک ہوتا ہے تحقیقی جواب، ایک ہوتا ہے الزامی جواب...... وہ ذرا آزاد منش تھے، کہتے تھے: ہم کسی کے پیچھے نہیں چلتے، تقلید کو نہیں مانتے۔ تو میں نے کہا: آپ بتائیں کہ بخاری شریف کا لفظ کہیں قرآن میں استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ ہر بات میں ان کی عادت تھی کہ بخاری شریف کی حدیث لاؤ۔ تو یہ بات سن کر وہ ذرا سنبھل گیا۔ پھر اسے بات سمجھائی، اسے کہا: دیکھو! یہ جو

اصطلاحات ہیں، یہ وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔ اس کی حقیقت کو دیکھنا چاہیے، وہ موجود ہے یا نہیں؟ قرآن مجید میں محسنین کا تذکرہ موجود ہے۔ تو یہ احسان کی کیفیت آخر کیا چیز ہے؟ تو ہم اسے ہی تصوف کہتے ہیں۔ آپ اسے احسان کہنا شروع کر دیں۔ سلوک کا لفظ بھی قرآنی لفظ ہے، راستے کو کہتے ہیں۔ تو آپ اسے یہ کہنا شروع کر دیں۔

دیکھیں بھئی! درسِ نظامی کا لفظ قرآن و حدیث میں کہیں مل سکتا ہے؟ کوئی بیوقوف ہی ہوگا جو یہ کہے گا کہ یہ لفظ چونکہ قرآن مجید میں کہیں نہیں ملتا، لہٰذا میں اس سے بیزار ہوں، میں اسے پڑھنا پسند نہیں کرتا۔ تو ایسے بندے کو سمجھائیں گے کہ بھئی! علمائے امت نے اس نصاب میں ایسی برکت پائی کہ اس کو پڑھ کر لاکھوں انسانوں کے سینے علم کے نور سے منور ہوئے، اب علما متفق ہو گئے کہ یہ کتب کا ایک ایسا نصاب ہے کہ جس کو پڑھ کر ایک جاہل بندہ بھی عالم بن جاتا ہے۔ تو درسِ نظامی کا لفظ تو نہیں ملے گا مگر علم کی فضیلت تو مل جائے گی۔ احادیث میں کتنے ہی عنوان اور باب ہیں علم کی فضیلت کے اندر، سینکڑوں حدیثیں ملیں گی۔ مستقل کتابیں لکھی گئیں علم اور علما کے فضائل پر، تو اصطلاحات پر جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ نزاعِ لفظی ہے۔

یہ ایسا ہی ہوا کہ ایک شخص نے کہا کہ بلی میرے سر سے اونچی ہے تو دوسرے نے کہا کہ جھوٹ بول رہے ہو، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بلی تمہارے سر سے اونچی ہو۔ تو دوسرے نے اسے کہا کہ بیوقوف تم نے میری بات نہیں سمجھی، وہ دیوار پر بیٹھی ہے، اس لیے میں نے کہا کہ میرے سر سے اونچی ہے۔ تو حقیقت کو سمجھنے کے بجائے الفاظ پر جھگڑا کر دینا، یہ کوئی اچھی بات نہیں ہوتی۔

ویسے یہ بات بھی دیکھی بعض لوگوں کو اجزا سے کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔ مجموعہ سے انکار کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر: ایک صاحب تھے، ان کا نام تھا جلال خان۔

انہیں چینی بہت اچھی لگتی تھی ، گھی کے پراٹھے کھاتے تھے ، میدہ بہت اچھا لگتا تھا۔دودھ کا پنیر بھی اچھا لگتا تھی لیکن ان تمام چیزوں کو ملا کر جب مٹھائی بنائی جاتی تھی ،گلاب جامن بنائے جاتے تو اس کے نام سے چڑھ جاتے تھے۔تو ان کو اگر کوئی کہہ دیتا کہ گلاب جامن کھالیں تو پتہ نہیں کیا ہوتا کہ وہ مرنے مارنے پر تل جاتے تھے۔ اب ان کو گلاب جامن سے اختلاف سہی لیکن اجزا سے کوئی اختلاف نہیں۔

اسی طرح لوگوں کو تصوف کے لفظ سے تو اختلاف ممکن ہے ،لیکن اس کی جو حقیقت ہے اس سے کوئی اختلاف نہیں کر سکتا۔تزکیۂ نفس حاصل کرنے کو ہر بندہ ضروری سمجھے گا ،تصفیہ قلب حاصل کرنے کو ہر انسان مانے گا۔ باطن کی بیماریوں کا علاج کروانا ہر شخص ضروری سمجھے گا اور یہی مقصود ہے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے مومنین کی صفات گنوائیں اوراس کے لیے کچھ الفاظ استعمال کیے۔کوئی تو بتائے کہ ذاکرین ،صادقین ، قانتین ،خاشعین ،موقنین ،مخلصین ،مخبتین ،متوکلین ،محسنین ،خائفین ،متقین ،عابدین ، راسخین ،توابین ،متطہرین ، یہ تمام صفات اگر کسی بندے کے اندر موجود ہوں تو اس بندے کو کیا کہنا چاہیے؟ یہ کہ وہ بندہ کامل ہے اوراسی بندے کے لیے صوفی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے کہ اس نے اپنے باطن کو صاف کر کے یہ تمام صفاتِ مومنانہ اپنے اندر پیدا کر لی ہیں۔ ہمارے نزدیک ان تمام صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی محنت کو تصوف کہتے ہیں اوران کے طلب گار اور طالبِ مولیٰ کو ''صوفی'' کہتے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پاک وہند کے بڑے محدث گزرے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اعمال واخلاق ،احوال ومقامات ،اور ذوق ووجدان میں جو کچھ اہلِ

طریقت کو میسر ہوا کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوا۔ تو اتنے بڑے محدث نے انفورسمنٹ کی کہ مشائخ صوفیا کی جماعت کو ان صفات میں سے جو حصہ ملا یہ صفات ان کے علاوہ اور کسی کو نہیں ملیں۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَ نَعْتَقِدُ اَنَّ طَرِیْقَ اَبِی الْقَاسِمِ الْجُنَیْدِ سَیِّدِ الصُّوْفِیَّةِ عِلْمًا وَ عَمَلاً وَّ صُحْبَةً طَرِیْقٌ مُقَوَّمٌ

''ہمارا اعتقاد ہے کہ جنید کا راستہ اور ان کی صحبت، ان کی مجلس یہی سیدھا راستہ ہے۔'' (اتمام الدرایۃ لقراء النقایۃ للسیوطی رحمۃ اللہ علیہ: ۱/۲۰)

تو مشائخ نے بڑے اچھے انداز میں ان باتوں کو سمجھایا ہے۔

شریعت اور طریقت:

شیخ شمس الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''مکتوباتِ صدی'' بڑی معروف ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''ظاہری احکام پر عمل کرنے کا نام شریعت ہے اور ان احکام کی حقیقت کو پالینا، ان کی تہہ تک پہنچنا، اس کا نام طریقت ہے۔''

چنانچہ جس بات کا ظاہری تعمیر کے ساتھ تعلق ہے وہ شریعت کہلائے گی اور جس کا باطنی تعمیر کے ساتھ تعلق ہے وہ طریقت کہلائے گی۔

مثال کے طور پر نماز کے لیے اپنے کپڑوں کو اور جسم کو پاک کرنا، یہ شریعت کہلائے گی اور نماز کے لیے اپنے دل کو غیر سے پاک کر لینا، یہ طریقت کہلائے گی۔ یعنی انسان ایسی نماز پڑھے کہ اس کے دل میں اللہ کے ماسوا کا کوئی خیال نہ ہو۔ یہ شرک بھی تو نجاست ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بارے میں فرمایا:

﴿اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ﴾ (التوبۃ:۲۸)

تو اس شرک کی باطنی نجاست سے اپنے دل کو پاک کر لینا، اس کا نام طریقت ہے۔ایک آدمی جنبی ہے، نماز پڑھنے کے قابل نہیں۔ایک آدمی بے وضو ہے، نماز پڑھنے کے قابل نہیں۔تو جیسے یہ طہارت ظاہری کا حاصل کرنا ضروری ہے اسی طرح صحیح نماز پڑھنے کے لیے، باطن کی طہارت کا حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔آج کیوں ہمیں وساوس کے بغیر نماز نصیب نہیں ہوتی؟ محنت نہیں کی ہوتی، دل کو غیر سے خالی نہیں کیا ہوتا، اس لیے کھڑے نماز میں ہوتے ہیں اور کوچۂ یار کی سیر کر رہے ہوتے ہیں۔تو نماز میں ظاہر میں وضو کرنا، یہ شریعت ہے اور باطن میں تمام گناہوں سے سچی توبہ کر کے باطن کا وضو کر لینا، اس کا نام طریقت ہے۔اس لیے ہمارے مشائخ جب وضو کرتے ہیں تو فقط ظاہر کا وضو نہیں کرتے، بلکہ اس کے ساتھ توبہ کر کے باطن کا بھی وضو کرتے ہیں۔

ہم نے مشائخ کو دیکھا اپنے گھر سے وضو کر کے چلتے اور راستے میں کہیں بازار گلی کوچہ سے گزرنے کی وجہ سے، ادھر ادھر نظر اٹھ جاتی، تو دوبارہ وضو کرتے کہ اب میں اپنے مالک کے سامنے کیسے کھڑا ہوں گا۔تو ظاہر کا بھی وضو کرتے اور پاکیزگی اختیار کرتے اور سچی توبہ کے ذریعے باطن کا بھی وضو کر کے اپنے باطن کو پاک کر کے اپنے مالک کے حضور کھڑے ہوتے تھے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾ (البقرۃ:۲۲۲)

"بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے اور پاکیزگی حاصل کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں۔"

نماز میں باوضو ہونا، یہ شریعت ہے اور ہر طرف سے توجہ کو ہٹا کر اللہ رب العزت کی طرف توجہ کو لگا لینا، یہ طریقت ہے۔

﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ (الانعام:۷۹)

تمام نفسانی، شیطانی، شہوانی محبتوں کو توڑ دینا، چھوڑ دینا اور اپنے من کو ایک اللہ رب العزت کی طرف متوجہ کر لینا یہ طریقت ہے، یہ دل کا قبلہ ہے۔ جیسے کعبہ ہمارے ظاہر کا قبلہ ہے اسی طرح وہ ذات جس کا وہ گھر ہے، وہ ذات ہمارے باطن کا قبلہ ہے۔ ہماری دل کی توجہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف ہونی چاہیے۔

کسی شاعر نے اس کو بہت اچھے الفاظ میں سمجھایا۔ فرماتے ہیں:

سنو دو ہی لفظوں میں مجھ سے یہ راز
شریعت وضو ہے طریقت نماز
عبادت کی عزت شریعت میں ہے
محبت کی لذت طریقت میں ہے
شریعت درِ محفلِ مصطفیٰ
طریقت عروجِ دلِ مصطفیٰ
شریعت میں ہے قیل و قال حبیب
طریقت میں حسن و جمالِ حبیب
نبوت میں ہوتے ہیں دونوں ہی رنگ
عبث ہے یہ صوفی و ملا کی جنگ

یہ دونوں نبوی رنگ ہیں۔ وہ ظاہر کا بھی وضو فرماتے تھے اور باطن کا بھی وضو فرماتے تھے۔ اس لیے اس نزاعِ لفظی میں پڑنے کے بجائے اس کی حقیقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

تصوف......حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں:

حضرت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: حضرت! یہ تصوف کیا ہے؟ تو حضرت نے ایک عجیب جواب دیا۔ فرمایا:

''تصوف کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی رگ رگ اور ریشے ریشے سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے''

یہی تصوف ہے۔

دو بڑی نعمتیں......اخلاق اور اخلاص:

دو بڑی نعمتیں ہیں: ایک اخلاق اور دوسری اخلاص۔ اخلاص اللہ تعالیٰ کے ساتھ نصیب ہو جائے اور اخلاق اس کی مخلوق کے ساتھ نصیب ہو جائے۔ اچھے اخلاق اور اخلاص یہ دونوں ذکر وسلوک کی وجہ سے بندے کو نصیب ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے انسان جب اس راستے پر چلتا ہے تو پہلے ذکر کی عادت ڈالتا ہے، پھر کچھ عرصے کے بعد وہ عبادت بنتی ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ وہ انسان کے لیے لذت بن جاتی ہے۔ تو عادت، عبادت اور لذت، یہ تین سیڑھیاں چڑھ کر انسان ایسی زندگی گزارتا ہے کہ اس کا جسم بھی عبادت کا طلب گار ہو جاتا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ شیخ عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے کہہ دیا کہ جنت میں نماز نہیں ہوگی تو انہوں نے رونا شروع کر دیا۔ کہنے لگے کہ اگر جنت میں نماز نہیں ہوگی تو پھر ہمیں جنت میں مزہ ہی کیا آئے گا۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے جنت کا تذکرہ شروع کر دیا، حور وقصور کی باتیں شروع کر دیں، تو سنتے رہے اور آخر پر فرمانے لگے: اگر اللہ رب العزت نے ہم پر قیامت کے دن نظرِ عنایت فرمائی تو میں تو کہوں گا: اللہ! مجھے اپنے

عرش کے نیچے مصلے کی ذرا جگہ دے دیجیے۔

شریعت وطریقت...... فقیر کی نظر میں:

اس عاجز نے شریعت وطریقت کو جو سمجھا ہے وہ یہ کہ شریعت میں اعضا وجوارح کو عبادت پر آمادہ کرنا پڑتا ہے اور طریقت میں لگنے کے بعد اعضاء وجوارح انسان کو عبادت کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ کھانا کھائے بغیر انسان کا وقت گزر جاتا ہے، مگر ذکر ومراقبہ کے بغیر، درود شریف کے بغیر اور تہجد کے بغیر پھر انسان کا وقت نہیں گزرتا۔

حصولِ نسبت میں معان چار چیزیں

چار چیزیں حصولِ نسبت میں بہت کام آتی ہیں To cut the story Short اپنی بات کا لب لباب عرض کروں تو وہ یہ کہ چار چیزیں نورِ نسبت کے حصول میں انسان کو بہت فائدہ دیتی ہیں۔

① گناہوں سے بچنا اور آرزوؤں کو کم کرنا:

سب سے پہلی بات کہ پچھلے گناہوں پر ندامت ہو اور آئندہ گناہوں سے انسان بچے۔ اور اپنی آرزوؤں کو انسان کم کرے، دنیا کی لمبی امیدیں اور لمبی آرزوئیں، یہ اہل دل لوگوں کا حال نہیں ہوتا۔ اپنی آرزوؤں کو بدلیں۔ ؎

تیری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی
مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے
تیری دعا ہے کہ ہو آرزو تیری پوری
میری دعا ہے کہ تیری آرزو بدل جائے

تو اللہ تعالیٰ ہماری آرزو بن جائے، اللہ تعالیٰ ہماری منشا بن جائے۔تو پچھلے گناہوں پر ندامت، آئندہ گناہوں سے بچنا اور اپنی آرزوؤں کو کم کرنا۔

۲ اتباعِ سنت:

دوسری چیز ہے اتباعِ سنت۔ ہر کام میں نبی علیہ السلام کی سنت سے اپنے آپ کو مزین کرنا۔ جیسے عورتیں زیورات پہنتی ہیں اور وہ سمجھتی ہیں کہ ہمارے حسن و جمال میں اضافہ ہو جائے گا اسی طرح مومن جب اپنے ہر عضو کو سنت سے مزین کر لیتا ہے تو وہ اللہ رب العزت کی نظر میں حسن و جمال والا بن جاتا ہے۔ چنانچہ ہر کام میں سنت پر عمل کرنا چاہیے۔ اتباعِ سنت ہمارے اس سلسلہ عالیہ کی شرائط میں سے ہے۔ اس کے بغیر کوئی بھی بندہ نورِ نسبت حاصل نہیں کر سکتا۔ یاد رکھیں! اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے تمام راستے بند کر دیے گئے سوائے اس راستے کے جس پر چل کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تک پہنچے۔ ان کی اتباع کے بغیر اللہ تعالیٰ کی رضا کا ملنا ناممکن ہے۔ تو اس راستے میں ہر چھوٹے بڑے عمل میں، ہر کام میں، سنت کی اتباع لازم ہے۔

مسنون دعاؤں کی اہمیت:

مسنون دعائیں جو احادیث میں منقول ہیں، ان کو اپنے اپنے مواقع پر پڑھنا اتنا بابرکت عمل ہے کہ وقوفِ قلبی رکھنے کے لیے اپنی زندگی میں اس سے بہتر عمل میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ جو احباب کہتے ہیں نا کہ وقوفِ قلبی نہیں رہتا، وہ گویا کہہ رہے ہوتے ہیں کہ ہم مسنون دعائیں اپنے موقع پر پڑھنے سے محروم ہیں، اسی لیے تو وقوفِ قلبی نہیں رہتا، اسی لیے تو غفلت ہوتی ہے۔ اور یہ دعائیں ماشاء اللہ ہر موقع کی...... کھانے شروع کرنے کی دعا، آخر میں پڑھنے کی دعا، گھر میں داخل ہونے کی دعا، گھر

سے نکلنے کی دعا...... ہر ہر کام پہ پڑھنے کی دعائیں احادیث میں منقول ہیں۔ تو سالک کا پہلا کام یہ ہے کہ ان تمام مسنون دعاؤں کو یاد کرے اور اپنے اپنے وقت پر پڑھنے کا اہتمام کرے۔

آپ نے سنا ہوگا کہ برموقع برمحل اگر کوئی بات کی جائے تو ہر بندے کو اچھی لگتی ہے۔ یہ ایسی برموقع دعائیں ہیں جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مانگیں۔ اس لیے جو بندہ یہ دعائیں مانگے گا، یہ دعائیں جلدی قبول ہو جائیں گی۔ بلکہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمادیا:

﴿اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ﴾ (غافر:۶۰)

''تم دعا کرو میں دعاؤں کو قبول کروں گا''

اس لیے اللہ تعالیٰ دعا قبول کرنے کا ارادہ پہلے فرماتے ہیں، دعا کی توفیق بعد میں دیتے ہیں۔ جس کو دعا کی توفیق مل گئی، یہ نشانی ہے کہ اللہ قبولیت کا ارادہ فرما چکے ہیں۔ تو جو ہماری ذاتی اور انفرادی دعائیں ہیں، ان کی وہ برکات نہیں ہوتیں۔ ذاتی دعاؤں کی مثال پرندے کی سی ہے جو خود اکیلا اڑتا ہے بے چارہ، جب کہ جہاز خود بھی اڑتا ہے اور سینکڑوں کے حساب سے سواریوں کو بھی لے کر اڑتا ہے۔ اسی لیے مسنون دعاؤں میں آپ کو عام طور پر جمع کا صیغہ ملے گا۔ قرآن مجید میں بھی ایسے ہی ہے۔ جیسے :

﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾ (الفاتحۃ:۵)

نماز اکیلا پڑھ رہا تھا، مگر جمع کا صیغہ استعمال فرمایا۔ تو مسنون دعاؤں کا اہتمام اس راستے کے طالب کے لیے بہت فائدے مند ہوتا ہے۔ بلکہ بعض مشائخ نے لکھا کہ کچھ ایسے حضرات تھے جنہوں نے فقط مسنون دعاؤں کے اہتمام سے نسبت کا نور

حاصل کر لیا۔

③ صحبتِ شیخ:

تیسری چیز صحبتِ شیخ ہے۔ جب انسان اس راستے پر چلنے کا ارادہ کر لے تو اس راستے کے راہی سے جو اس راستے سے واقف ہو، اس کی مجلس میں بیٹھنا اٹھنا، رابطہ رکھنا یہ ضروری ہوتا ہے۔ اتنا فرق ہے کہ ایک آدمی آپ کو گھر کا ایڈریس سمجھا دے کہ جی آ جانا۔ اور دوسرا آدمی ہاتھ سے پکڑ کر گھر لے جائے، دونوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ تو جس بندے نے یہ راستہ دیکھا ہو اس بندے کے ساتھ رابطہ رکھنا، صحبت رکھنا، دلی تعلق رکھنا، اس سے یہ نسبت جلدی نصیب ہو جاتی ہے۔

کچھ لوگ ہوتے ہیں جو بیعت تو ہو جاتے ہیں، مگر رابطہ نہیں رکھتے۔ وہ فائدہ نہیں پاتے، رکے رہتے ہیں۔ دیکھیں بھئی! اگر بارود ہو اور اس کے اندر دیا سلائی رکھ دیں تو اس طرح اسے آگ نہیں لگ سکتی، حالانکہ وہ بارود ہے اور یہ دیا سلائی ہے، دیا سلائی کو رگڑنا ضروری ہے، تاکہ اس کی آگ اس بارود کو پہنچے اور پھر وہ جلے۔ یہ جو رابطہ شیخ ہے، یہ دیا سلائی رگڑنے والی بات ہے۔ ؎

ان سے ملنے کی ہے یہی اک راہ
کہ ملنے والوں سے راہ پیدا کر

اس لیے یہ نعمت انسان کو بہت فائدہ دیتی ہے۔

ویسے ایک عام سی مثال ہے کہ اگر کسی بندے کی گاڑی کا انجن نہ چلتا ہو کہ جی بیٹری ڈاؤن ہو گئی، تو لوگ کیا کرتے ہیں؟ ایک دوسری بیٹری سے جمپر لگا دیتے ہیں۔ اس سے پھر یہ انجن اسٹارٹ ہو جاتا ہے۔ یہی چیز صحبتِ شیخ ہے کہ اس کے دل کی بیٹری ڈسچارج ہو چکی، اب شیخ کے دل کی بیٹری کے ساتھ جمپر لگا لو اللہ اس کے

انجن کو بھی اسٹارٹ کر دیں گے۔

④ کثرتِ ذکر اور قلتِ طعام:

اور چوتھی چیز ذکر کی کثرت کرنا، خالی پیٹ ہونے کی کیفیت میں۔ یہ جو خالی پیٹ رہنا ہوتا ہے اس میں بہت ہی بڑا نکتہ ہے۔ اکثر وبیشتر غفلت کا سبب وہ انسان کا پیٹ بھرنا ہے۔ بس پیٹ بھرنے کی عادت ہے، اس میں کئی دفعہ تو حرام حلال کی بھی پروانہیں ہوتی۔ بس بازار سے ملنے والی ہر چیز کھالی، یہ نہ دیکھا کہ اس میں کسی چیز کی ملاوٹ تو نہیں کی گئی۔ خاص طور پر جو کافروں کے ملکوں سے کھانے پینے کی چیزیں بن کر آتی ہیں اللہ جانے ان میں کیا ہوتا ہے۔ مومن کو تو محتاط ہونا چاہیے، اور کئی مرتبہ بنانے والا تو ٹھیک ہوتا ہے مگر بے نمازی، بے عمل ہوتا ہے، پتہ نہیں اس نے طہارت بھی کی ہوتی ہے یا نہیں۔ تو کھانے پینے میں انسان کو بہت محتاط رہنا چاہیے۔ ہمارے مشائخ تو بے نمازی بندے کے ہاتھ کا پکا بھی نہیں کھایا کرتے تھے۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

''تم میرے سامنے نمازی بندے کا پکا ہوا اور بے نمازی بندے کا پکا ہوا کھانا لا کر رکھ دو، میں تمہیں بتا دوں گا کہ اس میں بے نمازی کے ہاتھ کا پکا ہوا کونسا ہے اور نمازی بندے کا کھانا کونسا ہے۔''

حضرت عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط:

ہمارے حضرت امام العلماء والصلحاء خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی زیادہ تقوای و پرہیزگاری کی زندگی گزارتے تھے۔ وہ بھی مشتبہ کھانے کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔

ایک مرتبہ ہمارے حضرت مرشدِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندِ ارجمند، ان کے جانشینِ اول حضرت مولانا عبدالرحمٰن قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات خود اس عاجز کو بتائی۔ فرمانے لگے کہ ایک مرتبہ اباجی رحمۃ اللہ علیہ کہیں سفر پر گئے ہوئے تھے، تبلیغی سفر تھا۔ اس دوران میں حضرت عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ چکوال سے گزرتے ہوئے ہمارے گھر تشریف لے آئے۔ کہنے لگے کہ اب میں گھر کا بڑا بچہ تھا، حضرت کو بٹھایا اور حضرت کی سب خدمت اپنے ذمہ لی۔ جب کھانے کے لیے دسترخوان بچھایا تو کھانا بڑا مزے دار اور قسم قسم کا تھا۔ جب میں نے سارا کھانا لگوا دیا تو حضرت نے ایک نظر میرے اوپر ڈالی اور کہنے لگے کہ یہ سؤر تمہارے گھر کیسے دخل ہوا؟ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے تو پسینہ آ گیا۔ حضرت نے کھانے سے انکار کر دیا۔ کہنے لگے: میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ کہنے لگے: مجھے اور تو کچھ نہ سوجھا میں اندر گھر آیا اور میں نے آ کر امی جی سے پوچھا: امی جی! حضرت تو کھانا نہیں کھا رہے، وہ فرماتے ہیں کہ تمہارے گھر میں یہ سؤر کہاں سے داخل ہوا؟ تو امی جی نے اسی وقت سر پکڑ لیا۔ کہنے لگیں: اُفوہ! غلطی مجھ سے ہوئی۔ یہ میرے ہمسائے کی عورت بڑے عرصے سے میرے پیچھے لگی ہوئی تھی کہ جب کبھی تمہارے شیخ آئیں تو میں ایک وقت کا کھانا پکا کر بھیجوں گی، مروت میں اور پڑوس کی وجہ سے میں نے اجازت دے دی کہ اچھا اس مرتبہ کھانا آپ پکا دینا۔ یہ ہمارے گھر کا کھانا نہیں، ہمسائے کے گھر کا کھانا تھا۔ اماں جی نے پھر اپنے گھر کا کھانا بنایا، جب میں وہ لے کر گیا پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے وہ کھانا بغیر کچھ کہے کھا لیا۔ یوں ہمیں معلوم ہوا کہ اللہ والوں کو اللہ نے کیا باطنی بصیرت عطا کی ہوتی ہے۔ تو یہ فراستِ مومنانہ ہوتی ہے یہ کوئی غیب کا علم نہیں ہوتا۔

(اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ) (سنن الترمذی، رقم:۳۰۵۲)

''مومن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''

اللہ تعالیٰ فراستِ مومنانہ عطا فرما دیتے ہیں۔

نفس کی تخریب میں باطن کی تعمیر:

ایک اصول یاد رکھ لیجیے کہ نفس کی تخریب میں شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے۔ ہم جتنا نفس کو توڑیں گے اتنا شخصیت کی تعمیر زیادہ ہوگی اور اگر نفس کو پالنا شروع کر دیں گے تو شریعت کی تخریب ہوتی چلی جائے گی۔ یہ پکی اور ٹھوس بات ہے۔ اس لیے نفس کی خواہشات کو جتنا توڑتے چلے جائیں گے، آپ باطن کی تعمیر میں اینٹیں رکھتے چلے جائیں گے۔ نفس کی ہر بری خواہش کو توڑنا باطن کی عمارت کو تعمیر کرنے کے مترادف ہے۔

سالک کی تربیت کے دو انداز:

اس راستے پر چلتے ہوئے سالک کو کبھی کبھی بسط کی کیفیت سے گزرنا پڑتا ہے اور کبھی اس کو قبض کی کیفیت سے گزرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دو نام ہیں، قابض اور باسط۔

﴿وَ اللّٰهُ يَقۡبِضُ وَ يَبۡسُطُ وَ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ﴾ (غافر:۲۴۵)

اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے کسی بندے کے دل پر کیفیات کو کھول دیتا ہے۔ اسے بڑی لذت ملتی ہے، عبادت میں بڑا مزہ آتا ہے۔ اس کیفیت کو ''بسط'' کی کیفیت کہتے ہیں۔ اور کبھی کبھی بالکل ہر چیز بند نظر آتی ہے، نہ عبادت میں دل لگتا ہے، نہ تلاوت میں دل لگتا ہے، اپنے آپ کو مجبور کر کے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔ اس کو ''قبض'' کی کیفیت کہتے ہیں۔

تو سالک کی تربیت کبھی قبض کی کیفیت سے ہوتی ہے اور کبھی بسط کی کیفیت سے

ہوتی ہے۔ اس میں پھر سالک پریشان ہوتا ہے، وہ یہ نہیں سمجھتا کہ یہ میرے اوپر قدرت کی طرف سے ایک امتحان ہے، یہ میرے صبر کو آزمایا جا رہا ہے اور میں نے اس قبض کی کیفیت میں بھی اپنے رب کی عبادت کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ یہ طالب مولا ہے یا طالب لذات ہے۔

عبداللطیف یا عبداللطف:

بندے کو عبداللطیف بننا چاہیے عبداللطف نہیں بننا چاہیے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب کیفیت مل رہی ہے تو وہ اعمال کر رہے ہوتے ہیں اور ذرا کیفیت کم ہوئی تو سمجھتے ہیں کہ کچھ بھی نہیں ہے۔ او جی! میں تیرہ سال سے لگا ہوا ہوں اور میں نے تیرہ سال میں کیا پایا؟ بھئی! یہ احساس جو ہے کہ مجھے کچھ نہیں ملا، کیا یہ نعمت نہیں ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے در سے دھتکارا ہوتا تو آپ کو یہ جذبات نہ دیتے، احساس ہی نہ ہوتا۔ یہ فکر جو آپ کو لگی ہوئی ہے کہ میں نہ بن سکا جو بننا چاہیے تھا، یہ ایک نعمت ہے۔ ساری زندگی میں ایسا تو کوئی وقت نہیں آئے گا کہ بندہ کہہ دے کہ میں بن چکا ہوں۔ جس نے کہا کہ میں بن چکا ہوں اس نے اپنے نامکمل ہونے کا اعلان کر دیا۔ تو ساری زندگی یہی سمجھنا ہے کہ مجھے کچھ نہیں ملا، کچھ نہیں ملا۔

ایک اور شیطانی وار:

قبض کی حالت میں شیطان بندے کو مایوس کر دیتا ہے۔ بلکہ اس کے دل میں ڈالتا ہے کہ شیخ کی تمہارے اوپر توجہات نہیں ہیں۔ جن لوگوں کے لیے ہزاروں مرتبہ دعائیں مانگی ہوں، درجنوں مرتبہ غلافِ کعبہ کو پکڑ کر دعائیں مانگی ہوں وہ کہتے ہیں کہ شیخ کی توجہ نہیں۔ ع

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

شناخت ہی ختم ہوگئی۔شیطان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اسے شیخ سے توڑا جائے اور اپنے جال میں پھنسایا جائے۔جب شیخ سے رابطہ کٹ جائے گا تو یہ موم کی ناک بن جائے گا جدھر مرضی مروڑ دو۔

''قبض'' میں سالک کی ترقی زیادہ ہے:

امامِ ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سالک کی قبض کی حالت میں روحانی ترقی اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ بسط کی حالت میں وہ ترقی کبھی نہیں ہوتی۔اس لیے کہ خوشی کی حالت میں انسان اللہ کے اتنا قریب نہیں ہوتا جتنا کہ دکھ کی حالت میں اللہ کے قریب ہوتا ہے۔کسی عارف نے کہا:

سکھ دکھاں تے دیواں وار

دکھاں آن ملایم یار

میں سکھوں کو دکھوں پر قربان کردوں کہ دکھوں نے میرے یار کو مجھ سے ملا دیا۔یہ کیفیت نہ مانگیں کیونکہ ہم کمزور ہیں، ہم اس قابل نہیں ہیں۔لیکن اگر کبھی آجائے تو صبر سے کام لیں۔

اللہ تعالیٰ آزماتے ہیں:

دراصل اللہ تعالیٰ آزماتے ہیں۔دیکھیں! پانی نکلنے کا ایک معیار ہوتا ہے۔اگر سو فٹ پر پانی نکلتا ہے تو آپ پچاس فٹ، ساٹھ فٹ، ستر فٹ تک جتنا مرضی بور کرلیں، سینکڑوں کی تعداد میں بور کرلیں کسی سے پانی نہیں نکلے گا۔ایک بور سوفٹ کا کریں گے تو وہیں سے پانی نکل آئے گا۔اسی طرح اللہ کی رحمتوں کے اترنے کا ایک معیار ہے اور اس معیار تک پہنچنا ذرا مشکل ہے۔سنیئے قرآن عظیم الشان!

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ کچھ ایسے لوگ تھے:

﴿مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتّٰى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ:۲۱۴)

''تنگدستی اور بدحالی نے انہیں پریشان کر دیا اور وہ اتنا جھنجھوڑے گئے، حتی کہ رسول اور ان کے ساتھ جو ایمان لائے سب پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟''

فرمایا:

﴿اَلَا إِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيبٌ﴾ (البقرۃ:۲۱۴)

''جان لو کہ اللہ کی مدد قریب ہے''

اللہ تعالیٰ بعض اوقات بندے کو آزماتے ہیں اور اس کی ثابت قدمی پر پھر اللہ کی مدد آتی ہے۔ پڑھیے قرآن، فرمایا:

﴿حَتّٰى إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا﴾ (یوسف:۱۱۰)

پتہ چلتا ہے کہ انسان کو ان آزمائشوں سے گزرنا پڑ جاتا ہے۔ یہی تو مجاہدہ ہے۔ شریعت کوئی الٹا لٹکنے کا حکم تھوڑا دیتی ہے، ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر عبادت کرنے کا حکم تھوڑا دیتی ہے۔ ہاں! یہ کہتی ہے کہ خوشی اور غم میں تم اپنے مالک کے حکم کے مطابق زندگی گزارو۔ اگر تمہیں اللہ نے کچھ نعمتیں دیں تو شکر ادا کرو اور اللہ کے قریب ہو جاؤ اور اگر کچھ آزمائشیں آ گئیں تو صبر کرو اور اپنے اللہ کے قریب ہو جاؤ۔ شاکر بھی اللہ کے قریب ہو جاتا ہے، صابر بھی اللہ کے قریب ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہمارے مشائخ نے یہ کہا کہ اگر انسان مستقل مزاجی سے لگا رہے تو پھر اس کو جلدی منزل نصیب ہو جاتی ہے۔

حصولِ نسبت میں بڑی رکاوٹ...... گناہ:

حصولِ نسبت میں جو سب سے بڑی رکاوٹ ہے وہ گناہ کا کرنا ہے۔ چنانچہ اس راستے میں سالک ذکر کرتا ہے، تلاوت کرتا ہے، عبادت کرتا ہے، اپنے دل کو منور کرتا ہے، لیکن بدنظری کا گناہ کر کے، غیبت کا گناہ کر کے، جھوٹ بولنے کا گناہ کر کے اپنے آپ کو اس نور سے محروم کر لیتا ہے۔ تو گناہوں سے بچنے کا اہتمام پوری طرح سے ہونا چاہیے۔

گناہ کی دو قسمیں:

گناہوں میں بھی دو طرح کے گناہ ہوتے ہیں: ایک نفسانی اور ایک شیطانی۔ دونوں برے ہیں، دونوں نقصان دہ ہیں، مگر آپس میں دیکھا جائے تو ایک کی نسبت دوسرے کا ضرر بہت زیادہ ہے۔ نفسانی گناہ کا ضرر ہوتا ہے مگر نسبتاً کم، مگر شیطانی گناہ کا ضرر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اب یہ فرق کیسے ہوا؟ اس کو یوں سمجھیں کہ کچھ ایسے گناہ تو ہوتے ہیں جن کو انسان اپنے نفس کی خواہش کی وجہ سے کر جاتا ہے۔ اس کا بھی گناہ ہوتا ہے، مگر اس کا نقصان نسبتاً کم ہوتا ہے۔ لیکن ایک گناہ ہوتا ہے جسے انسان ارادتاً کرتا ہے اور وہ سرکشی کی لائن کے گناہ ہوتے ہیں۔ ان کو شیطانی گناہ کہتے ہیں۔

مثال کے طور پر تکبر، عجب، یہ شیطانی گناہ ہیں۔ شیطان اسی تکبر کی وجہ سے مردود ہوا۔ یہ اسی لائن کے گناہ ہیں۔ جس گناہ میں سرکشی اور طغیانی کی کیفیت ہو وہ بہت زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے، اس کا نقصان دوگنا ہوا کرتا ہے۔ اور جس گناہ کو بندہ کر تو لے، مگر دل میں احساسِ ندامت بھی ساتھ ہو۔ میں نے بدنظری کیوں کی؟ اوہو! میں نے جھوٹ کیوں بولا؟ میں نے اس کا دل دکھایا میں نے برا کیا۔ یہ نفسانی گناہ ہیں۔ یہ بھی نقصان دہ ہوتے ہیں مگر جلدی معاف ہو جاتے ہیں۔ جب کہ جو سرکشی

والے گناہ ہوتے ہیں، وہ خطرناک ہوتے ہیں، اس لیے مہلکات میں شمار ہوتے ہیں۔اسی لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((ثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ))

''تین چیزیں ہلاک کر دینے والی ہیں۔''

اوران میں سے ایک ہے

وَ اِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ

''بندے کا اپنے اوپر عجب اختیار کر لینا۔''

قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿وَ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ فِیْمَاۤ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَ لٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ (الاحزاب:۵)

''جو بات تم سے غلطی سے ہوگئی اس پر تم سے کوئی گناہ نہیں، لیکن وہ جو تم قصدِ دل کے ساتھ کرو''

تو ﴿فِیْمَاۤ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ﴾ یہ وہ نفسانی گناہ ہیں جو احیاناً انسان کی نفسانی خواہشات کے غلبے کی وجہ سے ہو جاتے ہیں۔﴿وَ لٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ یہ وہ طغیانی، شیطانی گناہ ہیں جن پر انسان کی پکڑ آجاتی ہے۔تو ان دونوں قسموں کے گناہوں سے بچنے سے اللہ تعالیٰ انسان کو نورِ نسبت عطا فرما دیتے ہیں۔

اجتماع میں آنے کا مقصد:

آپ جو یہاں پر تشریف لائے تو اس کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے کہ ہم کس طرح نور نسبت حاصل کر سکتے ہیں اور جو چیزیں اس نور کے راستے میں رکاوٹ ہیں، ان سے کس طرح بچ سکتے ہیں؟اس لیے اس عاجز نے اس پہلی محفل میں ذرا اس بات کو

کھولنے کی کوشش کی کہ یہ نعمت ضروری کتنی ہے اور اسے حاصل کیسے کر سکتے ہیں اور اس کے راستے میں رکاوٹیں کیا ہیں؟

یہ اصلاحی تعلق اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت قدر و قیمت رکھتا ہے، آپ یہاں پر جو چند دن گزاریں گے اس میں اپنا وقت غفلت کے ساتھ بالکل نہ گزاریں۔ جیسے معتکف اپنا ہر لمحہ عبادت میں گزارتا ہے، آپ بھی یوں سمجھیے کہ ہم نے بھی اپنا یہ وقت اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے، عبادت کے لیے فارغ کرلیا، اب ہم اس میں کوئی بھی غفلت کی بات یا غفلت کا کام نہیں کریں گے۔

جماعت اور بھیڑ میں فرق:

ایک ہوتی ہے جماعت اور ایک ہوتی ہے بھیڑ۔ جماعت وہ ہوتی ہے کہ چند لوگ جو کچھ اصول وضوابط کے تحت ایک جگہ پر اکٹھے ہوں، اور بھیڑ اسے کہتے ہیں کہ چند لوگ اکٹھے تو ہوں مگر ہر ایک کا مقصد اور منشا جدا ہو۔ یا پھر بازاروں میں بھیڑ ہوتی ہے، سینکڑوں لوگ ہوتے ہیں جو جارہے ہوتے۔ ہر ایک کا مقصد جدا ہوتا ہے، ہر ایک کی سوچ جدا ہوتی ہے۔ مسجد میں اب آپ آکر بیٹھے ہیں، اب آپ بھیڑ نہیں ہیں، اب آپ جماعت ہیں، سب کا مقصد ایک ہے کہ میری اصلاح کیسے ہو؟ میں اپنے اللہ کو راضی کیسے کرلوں؟ اس لیے یہ ایک جماعت ہے۔

اجتماع میں رہیں آداب کے ساتھ

یہاں آپ جماعت کی وجہ سے ذرا جماعتی نظم ونسق کا بھی خیال رکھیں۔

کھانے کے آداب:

کھانے کے لیے بلایا جائے تو وہاں آپ بڑے آرام کے ساتھ اطمینان کے

ساتھ بیٹھیں بلکہ اپنے دوسرے بھائی کو کھانے کے لیے پہلے جگہ دیں۔ کھاتے وقت اچھا نہیں ہے کہ اچھا اچھا خود کھانا شروع کر دیا اور دوسرے بھائی کو فقط شوربے پر گزارا کرنے پر مجبور کر دیں۔ یہ چیزیں سالکین کے طریقے کے خلاف ہوتی ہیں۔ ہمارے اکابرین یہ باتیں سکھایا کرتے تھے۔

بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گزرے ہیں۔ ایک مرتبہ ان کے دسترخوان پر بہت سارے مہمان آگئے۔ انہوں نے اپنے خادم سے کہا کہ دسترخوان پر کھانا رکھ کر لائٹ کو ٹھیک کرنے کے بہانے بجھا دینا تاکہ کوئی کم کھائے کوئی زیادہ اس کا پتہ نہ چلے اور سب لوگ کھالیں۔ خادم نے ایسے ہی کیا۔ سب لوگ دسترخوان پر بیٹھ گئے، اب کوئی ہاتھ آگے بڑھا رہا ہے، کوئی لے رہا ہے، کوئی کچھ کھا رہا ہے، کوئی پانی پی رہا ہے۔ جب دوبارہ لائٹ جلائی گئی تو پتہ چلا کہ پانی تو سب نے پیا تھا مگر روٹی کسی نے بھی نہیں کھائی تھی۔ پوچھا کہ بھئی! ایسا کیوں کیا؟ تو ہر ایک نے کہا کہ میں نے سوچا کہ میرا بھائی کھالے میں پانی پی کر گزارا کر لیتا ہوں۔ تو یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک خلق تھا جو اللہ رب العزت نے ہمارے بزرگوں کو عطا کر دیا۔ وہ حضرات تو اتنا ایثار کرتے تھے، ہم اتنا ایثار نہیں کر سکتے کہ بوڑھے کو پہلے کھانے دیں اور ہم بعد میں کھالیں، عالم کو پہلے کھانے دیں اور ہم طالب علم ہیں، ہم بعد میں کھالیں۔ تو یہ چیزیں سیکھنے والی ہوتی ہیں۔ اس لیے ان آداب کا دسترخوان پر بہت ہی خیال رکھیں۔

طہارت کے آداب:

اسی طرح طہارت اور وضو کا معاملہ ہے۔ الحمدللہ! اتنے طہارت خانے بنا دیے ہیں کہ مجمع کے لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔ تاہم اس میں ایک تو صفائی کا خیال رکھیں اور مٹی کے ڈھیلے اندر ڈالنے سے پرہیز کریں۔ کچھ لوگ ڈھیلے استعمال کرتے ہیں۔ اگر مٹی

کے ڈھیلے اندر ڈالیں گے تو سیورج بلاک ہو جائے گا اور کچھ دیر بعد پانی باہر پھر رہا ہوگا۔ علما نے لکھا ہے کہ اس کی جگہ آج کل ٹائلٹ پیپر ملتے ہیں اور وہ پانی میں حل ہو جاتے ہیں اور پانی بلاک نہیں ہوتا، وہ استعمال کرلیا جائے تو سنت کا ثواب مل جاتا ہے۔ ہاں باہر کھلی جگہ پر کوئی جائے تو ڈھیلوں کو ضرور استعمال کرے کہ یہی سنت ہے۔ وضو کرتے ہوئے پانی کے استعمال کا بھی خیال رکھیں۔ بعض احباب کو ٹوٹی کھولنی تو یاد ہوتی ہے، بند کرنی یاد نہیں ہوتی، اس سے پانی کا اسراف ہوتا ہے، اور یہ اسراف بہت بڑا گناہ ہے۔ اس لیے ٹونٹی کو کھولیں تو ضرورت کے مطابق کھولیں! چاہے وضو کرنا ہو، چاہے نہانا ہو۔ ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرنا اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری ہے۔

مسجد میں اعتکاف کی نیت سے رہیں:

اسی طرح زیادہ وقت اعتکاف کی نیت سے مسجد کے اندر گزارنے کی کوشش کریں۔ ذکر میں، عبادت میں، تلاوت میں، گزارنے کی کوشش کریں۔ مسجد سے باہر کسی ضرورت کی وجہ سے نکلیں، بغیر ضرورت مسجد سے باہر نہ نکلیں۔ اور جب باہر نکلیں تو معتکف کی طرح، بس اپنی ضرورت پوری کی اور پھر مسجد میں آ گئے۔ ان آداب کا خیال رکھیں گے تو ان شاء اللہ فائدہ زیادہ ہوگا۔

دل آزاری سے بچیں:

کسی کی دل آزاری سے بچیں! عمل سے ہو یا قول سے۔ بعض حضرات قول سے تو بچتے ہیں، لیکن عمل سے دوسرے کی دل آزاری کرتے ہیں۔ وضو کر رہے ہیں تو ایسے چھینٹیں اڑا رہے ہیں کہ اردگرد کے لوگوں پر پانی پڑ رہا ہے۔ اور اس کو وہ دل آزاری سمجھتے ہی نہیں۔ اسی طرح بغیر اجازت کے دوسرے کا جوتا لے کر بیت الخلا میں چلے

گئے اور اس کو دل آزاری سمجھتے ہی نہیں۔ بغیر اجازت کسی دوسرے کی چیز استعمال نہیں کرنی۔

اللہ کسی کے عملوں کو ضائع نہیں کرتے:

ان تمام آداب کا اگر آپ خیال رکھیں گے اور اس کے ساتھ وقت گزاریں گے تو ان شاء اللہ اس کا فائدہ بہت زیادہ ہوگا۔ ہمارا پروردگار اتنا مہربان ہے کہ وہ بندے کے کیے ہوئے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ اس نے وعدہ فرمالیا کہ

﴿اِنِّیْ لَا اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی﴾ (آلِ عمران:۱۹۵)

''مرد ہو یا عورت، میں تم میں سے کسی کے کیے ہوئے عمل کو ضائع نہیں کرتا''

آپ اللہ کی رضا کے لیے چھوٹا سا بھی عمل کریں گے تو اللہ تعالیٰ اس کے اجر کو ضائع نہیں کریں گے۔ وہ بڑا کریم مہربان ہے، وہ بڑا کریم آقا ہے۔

اللہ کتنے کریم ہیں!

ایک بزرگ نے کسی نوجوان کو دیکھا جو بڑا اکڑ اکڑ کر چل رہا تھا۔ اندازِ فاخرانہ کے ساتھ چل رہا تھا۔ انہوں نے پوچھا کہ بھئی! کیا بات ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں فلاں نواب کا، فلاں حاکم کا غلام ہوں۔ چونکہ وہ کسی بڑے رئیس کا غلام تھا اس لیے اس کو ناز تھا، نخرہ تھا۔ اور وہ اکڑ اکڑ کر چل رہا تھا۔ چنانچہ انہوں نے بلایا کہ تمہارا تمہارے آقا کے ساتھ کیا معاملہ ہے۔ تم اس کے ساتھ جو وقت گزارتے ہو ذرا اس کی تفصیل سناؤ۔

اس نے کہا: میں سارا دن اپنے مالک کی خدمت میں مشغول رہتا ہوں اور رات کو جب سو جاتا ہوں تو بھی اسے جب کوئی کام پڑتا ہے تو وہ مجھے جگا دیتا ہے۔ اور جب کبھی میں اس سے چھٹی لے کر اپنے بیوی بچوں کے پاس جاتا ہوں تو وہ چھٹی

والے دنوں کی تنخواہ کاٹ لیتا ہے۔ اگر میں کبھی بیمار ہوتا ہوں تو بیماری والے دنوں میں میری تنخواہ گھٹا دی جاتی ہے۔ جب میرا مالک سو جاتا ہے میں اپنے مالک کا پہرہ دیتا ہوں، اس کی حفاظت کرتا ہوں۔ انہوں نے یہ باتیں سن کر اسے کہا کہ تمہارے مالک کا یہ معاملہ کہ تم سارا دن اس کی خدمت میں رہتے ہو، اس کو چیزیں پہنچا رہے ہو، کبھی کھانا، کبھی پانی، اور پھر تمہارا مالک ایسا کہ پھر تمہیں ہی اس کی حفاظت کرنی پڑتی ہے، آؤ! ذرا میرے مالک کی بھی بات سن لو۔

میرا مالک وہ پروردگار ہے جو سارا دن مجھے نعمتیں پہنچا رہا ہوتا ہے، یہ کھانے کی نعمت پہنچ رہی ہے، یہ پینے کی نعمت پہنچ رہی ہے۔ اور جب یہ سب کچھ کھا کر میں سو جاتا ہوں تو میرا مالک جاگ کر میری حفاظت کر رہا ہوتا ہے۔ تم بیمار ہوتے ہو تو تمہارا مالک اجرت کم کر دیتا ہے، میرا مالک وہ ہے کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ میری نیکی کے اجر کو بڑھا دیتا ہے...... بیمار کی کروٹوں پر بھی اللہ تعالیٰ اسے سبحان اللہ کہنے کا اجر دے دیتے ہیں۔ بیمار کے کراہنے پر اللہ فرشتوں کو کہتے ہیں کہ اسے سبحان اللہ، الحمد للہ کہنے کا اجر لکھ دو...... کہنے لگے: جب تم بیوی بچوں کے پاس جاتے ہو تمہارا مالک تمہاری تنخواہ کم کر دیتا ہے۔ جب کہ میرا مالک بیوی کو محبت کی نظر سے دیکھنے پر بھی اجر و ثواب عطا کر دیتا ہے۔ تو جب ہمارا مالک اتنا کریم ہے تو ہم کیوں نہ اپنے مالک سے ہی مانگیں اور اسی طرف متوجہ رہیں۔

اللہ کتنے حلیم ہیں!

ہمارے آقا اتنے حلیم ہیں کہ باوجود اس کے کہ ہم نافرمانیاں کرتے ہیں، گناہ کرتے ہیں، رزق کے دروازے بند نہیں کرتے۔ وہ گناہوں کے اوپر پردے ڈال دیتے ہیں۔ وہ بندے کی ستاری فرماتے ہیں۔ وہ اتنا کریم پروردگار ہے۔

اس لیے اگر قیامت کے دن کسی بندے کو کہہ دیا جائے کہ تمہیں دو آپشن دیتے ہیں۔ یا تو تمہاری زندگی کی فلم تمہاری بہن، ماں، بیوی، اور اقارب کے سامنے چلا دیتے ہیں یا تمہیں جہنم میں بھیج دیتے ہیں۔تو میرے دوستو! ہم میں سے کتنے ایسے ہوں گے کہ جو کہیں گے میرے اللہ! یہ فلم ان کے سامنے نہ چلانا، ہمیں جہنم میں جانا زیادہ آسان لگتا ہے۔ایسے گناہوں پر اللہ نے پردہ ڈالا ہوتا ہے۔

ہماری ناقدری، اللہ کی قدردانی:

آج وقت ہے، اپنے گناہوں سے توبہ کرنے کا اور اپنے مالک کو منانے کا۔اس پروردگار نے ارشاد فرمایا:﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ﴾ "جو بھی نیک اعمال کرے گا" ﴿وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ "وہ ایمان والا ہو" ہم سے محبت کرنے والا، ہمارا چاہنے والا۔ یہ شرط ہے کہ وہ ہمارا ہو﴿فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ﴾ (الانبیا:۹۴) "ہم اس کے اعمال کی ناقدری نہیں کریں گے۔" او میرے بندو! ہم ناقدرے نہیں ہیں، تم نے اپنے پروردگار کی قدر نہیں کی۔اس لیے پروردگار کو کہنا پڑا:

﴿وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ (الانعام:۹۱)

"انہوں نے قدر نہیں کی اپنے رب کی جیسی کرنی چاہیے تھی۔"

مگر ہمارا مالک تو قدردان ہے۔وہ فرماتا ہے﴿فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ﴾ "ہم اس بندے کے عملوں کی ناقدری نہیں کریں گے"، چھوٹا عمل کرے گا تو بھی اجر دیں گے اور بڑا عمل کرے گا تو بھی اجر دیں گے۔

پروردگار اپنے بندے سے کہتے ہیں کہ او میرے بندے! تو ہی اپنے مالک سے توجہ ہٹاتا ہے، میں تو نہیں ہٹاتا، میں تو پھر بھی تیری طرف متوجہ رہتا ہوں۔ جب وہ اتنا کریم پروردگار ہے جو اپنے بندوں پر اتنا مہربان ہے تو پھر ہم کیوں نہ اس کو منائیں

اور اس مالک سے اپنی نعمتیں حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اس لیے کہ رب کریم تو دے کر خوش ہوتے ہیں۔

لطف اور مزے کی بات دیکھیے کہ جو عام بزنس مین ہوتے ہیں ان کے ہاں بھی منشی رکھے ہوتے ہیں۔ جو بھی لین دین کا سلسلہ ہوتا ہے وہ منشی لکھتے ہیں، اکاؤنٹ والے لکھتے ہیں۔ مالک اپنے ہاتھوں سے نہیں لکھتا۔ اللہ کی قدردانی دیکھیے! مفسرین نے لکھا کہ یہاں یہ نہیں کہا کہ تم نیک عمل کرو، ہمارے فرشتے تمہارا نامۂ اعمال لکھ رہے ہیں اور پھر ہم تمہیں اجر دیں گے۔ فرمایا نہیں!

﴿وَ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ﴾ (الانبیا:۹۴)

''ہم لکھتے ہیں تمہارے اعمال کو۔''

میرے مالک! آپ تو اتنے اچھے ہیں کہ ساری دنیا کے لوگ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسے بن جائیں اور پوری زمین بیت اللہ کی طرح بن جائے، اللہ! آپ کی شان میں کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا۔ ساری دنیا کے انسان فرعون بن جائیں اور ساری زمین بت خانہ بن جائے، اللہ! تیری شان میں کوئی کمی نہیں آسکتی۔ میرے اللہ! آپ تو اتنے عظیم ہیں کہ ہم جتنی بھی عبادت کرلیں، ہماری عبادت آپ کی شانِ عظمت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ مگر آپ اتنے قدردان ہیں کہ ہماری ان ٹوٹی پھوٹی نمازوں کے بارے میں آپ فرماتے ہیں:

﴿وَ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ﴾

او میرے بندو! آپ ہماری رضا کی خاطر جو اعمال کرتے ہیں ہم ان کو لکھتے ہیں، ہم ان کا حساب کتاب لکھواتے ہیں۔ ہم پورا پورا ادا کرنے والے ہیں ہم کسی بندے کے عمل میں کوتاہی نہیں ہونے دیں گے۔ حساب کتاب ہمارے ذمے ہے۔

ہم پورا پورا ادا کریں گے۔تو پھر میرے دوستو! کیوں نہ ہم اعمال کے ذریعے اس مالک کو راضی کرنے کی کوشش کریں، وہ کریم آقا ہے۔

ایک ہی در سے مانگیں:

ایک بزرگ تھے، ان کو کسی مرید نے کہا: حضرت! مجھے فلاں فلاں چیز کی ضرورت ہے، لہٰذا آپ فلاں بندے سے میرے لیے یہ چیز مانگ کر دے دیجیے۔تو انہوں نے اسے بلا کر سمجھایا کہ دیکھو! تم کہتے ہو کہ فلاں سے مانگ لو اور وہ دروازہ تو بند ہے، ایک دروازہ ایسا ہے جو کبھی بند نہیں ہوتا۔تو میں کھلے دروازے سے کیوں نہ مانگوں؟ مجھے بند دروازے پر دستک دیتے شرم آتی ہے۔اللہ! آپ کا تو دروازہ کبھی بند ہی نہیں ہوتا، ہم کیوں نہ آپ کے دروازے سے مانگیں، جو ہمیشہ دے کر خوش ہوتا ہے اور لینے والے بندوں سے راضی ہوتا ہے۔

آپ کا یہ قیام فقط اللہ کی رضا کے لیے ہے۔آپ اس وقت کو پورے آداب کے ساتھ گزاریے اور ذکر اذکار کے ساتھ گزاریے، مسجد کے اندر رہنے کی کوشش کیجیے، ضرورت کے وقت باہر جانا ہو تو ضرورت پوری کر کے فوراً مسجد کے اندر آیئے۔ آپ باتوں میں وقت نہ گزاریے ورنہ شیطان آپ کو باتوں میں الجھانے کی کوشش کرے گا۔آپ اعمال کے ذریعے سے اپنے پچھلے گناہوں سے اپنے آپ کو پاک کرنے کی کوشش کریں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کی حاضری کو قبول فرمالے اور ہمیں اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمالے۔(آمین ثم آمین)

﴿وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

﴿اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا﴾

(الانعام:۱۲۲)

بیان: محبوب العلماء والصلحاء، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 17 فروری 2012ء بروز جمعہ ۲۴ ربیع الاول، ۱۴۳۳ھ

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

موقع: بیان جمعۃ المبارک

اقتباس

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اگر کم بصیرت والا انسان جنت میں پہنچ بھی گیا تو وہاں اس کو اللہ رب العزت کا جو دیدار نصیب ہوگا، اس سے یہ صحیح معنوں میں لطف اندوز نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کی لذت کا تعلق بصیرت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کے باطن کی نظر سکس بائی سکس ہوگی تو پھر اس کو لذتِ دیدار صحیح معنوں میں حاصل ہوگی۔ اس سے اندازہ لگایئے کہ انسان کو اپنی بصیرت کے حاصل کرنے کے لیے کتنا فکر مند ہونا چاہیے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

فراستِ مومنانہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا﴾ (الانعام:۱۲۲)
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

انسانی زندگی کے دو پہلو:

انسانی زندگی کے دو پہلو ہیں۔

(۱) جسمانی زندگی

(۲) روحانی زندگی

جسمانی زندگی کی ابتدا ماں کے پیٹ سے شروع ہو جاتی ہے۔ جب بچہ چار مہینہ کا ہوتا ہے تو اس میں روح ڈال دی جاتی ہے...... یہ جسمانی زندگی کی ابتدا ہوگئی۔ تاہم ولادت کے بعد اس کی دنیا کی جسمانی زندگی شروع ہوتی ہے۔

اور ایک ہے انسان کی روحانی زندگی، وہ اس زمین اور آسمان کے پیٹ یعنی دنیا میں آ کر شروع ہوتی ہے۔

﴿اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ (الانعام:۲۰۸)

''پورے کے پورے سلامتی (اسلام) میں داخل ہو جاؤ''

کا مصداق بن جائے۔تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایک روح عطا فرما دیتے ہیں۔یہ اس کی روحانی زندگی کہلاتی ہے۔

جسمانی زندگی بھی روح سے بنتی ہے۔اس کی دلیل قرآن عظیم الشان میں ہے، فرمایا:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ﴾ (الاسراء:۸۵)

''اے میرے حبیب! یہ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرما دیجیے کہ یہ میرے رب کا معاملہ ہے''

اسی طرح روحانی زندگی بھی روح سے شروع ہوتی ہے، مگر اس روح کا نام قرآن عظیم الشان ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا﴾ (الشوریٰ:۵۲)

''اس طرح ہم نے تمہارے پاس اپنے حکم سے ایک روح بطور وحی نازل کی ہے''

یہ قرآن بھی ایک عالم امر سے آئی ہوئی چیز ہے۔قرآن کو سمجھنا اور اور زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنا انسان کی روحانی حیات کا سبب بنتا ہے۔

بصیرت اور بصارت:

جسمانی زندگی گزارنے کے لیے اللہ نے انسان کو جسمانی آنکھیں عطا کیں، ان کی روشنی کو بصارت کہتے ہیں۔جس انسان کو اللہ نے آنکھوں کی نعمت عطا کی وہ اس

سے اپنی زندگی آسانی کے ساتھ گزارتا ہے۔

اسی طرح روحانی زندگی گزارنے کے لیے اللہ رب العزت نے انسان کو باطن کی آنکھ عطا کی۔ اس کو بصیرت کہتے ہیں۔

خالد بن معدان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَا مِنْ عَبْدٍ اِلَّا وَ لَهٗ اَرْبَعَةُ اَعْيُنٍ

''کوئی بندہ ایسا نہیں کہ جس کو چار آنکھیں نہ ملیں''

عَيْنَانِ فِیْ رَأْسِهٖ يَبْصُرُ بِهِمَا اَمْرَ دُنْيَاهُ وَ عَيْنَانِ فِیْ قَلْبِهٖ يَبْصُرُ بِهِمَا اَمْرَ دِيْنِهٖ (مصنف ابن شیبہ، رقم: ۳۴۵۷۱)

دو آنکھیں تو چہرے پر ہوتی ہیں جن سے وہ دنیا کے کاموں کو دیکھتا ہے اور دو آنکھیں اس کے دل میں ہوتی ہیں جن سے وہ آخرت کے امور کو دیکھتا ہے۔

دل کی آنکھوں کو بصیرت کہتے ہیں اور آنکھ کی روشنی کو بصارت کہتے ہیں۔

بصیرت اور بصارت میں فرق:

فرق دونوں میں یہ ہے:

◉...... بصارت کے ذریعے انسان کو مادی چیزیں نظر آتی ہیں اور بصیرت کے ذریعے انسان کو مادے سے پار نظر آتا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

اَلْفِرَاسَةُ هِیَ الْمَهَارَةُ فِی تَعَرُّفِ بَوَاطِنِ الْاُمُوْرِ مِنْ ظَوَاهِرِهَا

''فراست (بندے کی) ایک صلاحیت ہے کہ جس سے امور کے ظاہر کو دیکھ کر وہ ان کی بواطن کو سمجھ لیتا ہے۔''

⊙...... بصارت کے ذریعے انسان کو فرشی چیزیں نظر آتی ہیں اور بصیرت کے ذریعے انسان کو عرشی چیزیں نظر آتی ہیں۔

⊙...... بصارت کے ذریعے انسان کو دوسروں کی شکل نظر آتی ہے اور بصیرت کے ذریعے انسان کو دوسروں کی شخصیت نظر آتی ہے۔

⊙...... جب ظاہر میں اجالا ہو تو پھر بصارت فائدہ دیتی ہے، اسی طرح جب دل میں اجالا ہو تو بصیرت فائدہ دیتی ہے۔

⊙...... بصارت کے ذریعے انسان کو ظاہر کا راستہ نظر آتا ہے اور بصیرت کے ذریعے انسان کو باطن کا راستہ نظر آتا ہے۔

⊙...... بصارت سے انسان کو مادی چیزوں کا نفع نقصان نظر آتا ہے کہ یہ چیز نفع دیتی ہے اور یہ چیز نقصان دیتی ہے۔

بصیرت کے ذریعے انسان کو اعمال کا نفع نقصان نظر آتا ہے۔اس کو پتہ چلتا ہے کہ میں نیکی کروں گا تو مجھے فائدہ ہوگا اور گناہ کروں گا تو دنیا میں بھی نقصان اور آخرت میں بھی نقصان ہوگا۔اس بات کا اس کے دل میں ایک یقین آجاتا ہے۔اس لیے گناہوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔جس طرح سانپ بچھو سے نقصان پہنچنے کا یقین ہوتا ہے لہٰذا کوئی سانپ کو ہاتھ نہیں لگاتا۔اسی طرح جب دل میں یقین ہو کہ گناہوں کے صادر ہونے سے نقصان ہوگا تو انسان گناہ کے قریب بھی نہیں جاتا۔

⊙...... بصارت کے ٹھیک ہونے سے، دوست اور دشمن میں فرق کا پتہ چل جاتا ہے اور بصیرت کے ٹھیک ہونے سے نیکی اور بدی میں فرق کا پتہ چل جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا﴾ (الانفال:۲۹)

''اے ایمان والو! اگر تم تقوٰی اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں فرقان عطا کرے گا۔''

فرقان سے مراد ہے قوتِ فارقہ، جو حق اور باطل کے درمیان فرق کر لیتی ہے، اللہ وہ نعمت عطا فرما دیتے ہیں۔

⊙ ......جسم کی آنکھوں کا ایک فتنہ ہے جسے غیر محرم کہتے ہیں۔ اس فتنے سے بچنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حدیثِ مبارکہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

''میں مردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ چھوڑ کر نہیں جا رہا''

تو مرد کے لیے عورت بہت بڑا فتنہ ہے۔ مرد بہت جلد اس میں پھنس جاتا ہے۔ اس لیے فرمایا:

((اَلنِّسَاءُ حَبَائِلُ الشَّيْطَانِ)) (مصنف ابن شیبہ، رقم: ۳۵۶۹۴)

''عورتیں شیطان کی رسیاں ہیں''

ان کے ذریعے شیطان بندے کو شکار کرتا ہے۔ لہٰذا آنکھ کو غیر محرم سے ہٹانے کا حکم دیا، ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ﴾

(النور: ۳۰)

''ایمان والوں سے کہہ دیں! اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور شرم گاہوں کی حفاظت کریں''

نگاہوں کا پرہیز ابتدا ہے اور پاک دامنی کی زندگی گزارنا یہ بندے کی انتہا ہے۔

اسی طرح دل کی آنکھوں کا بھی ایک فتنہ ہے اور اس فتنے کا نام ہے دنیا کی محبت۔ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ارشاد فرمایا: اے میرے حبیب!

﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ﴾ (طٰہٰ:۱۳۱)

''اورآپ اپنی نظران دنیاوی چیزوں کی طرف نہ دوڑائیں جوہم نے مختلف لوگوں کودنیاوی زندگی کی رونق کے سامان کے طور پر دے رکھی ہیں تاکہ ہم انہیں آزمائیں''

معلوم ہوا کہ یہ دنیا فتنہ ہے، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ہم نے ان کو آزمائش کے طور پر دی ہے۔ تو ظاہر کی آنکھوں کو غیر محرم سے بچانے کا حکم ہے اور دل کی آنکھوں کو حب دنیا سے بچانے کا حکم ہے۔ کیونکہ ظاہر کی آنکھ حب النساء سے ناپاک ہوجاتی ہے اور دل حبِ دنیا سے ناپاک ہوجاتا ہے۔

⊙......اگر انسان کی آنکھ کی بصارت کمزور ہوجائے تو اس کمی کو دور کرنے کے لیے عینک استعمال کرتے ہیں جس سے نظر کی کمزوری دور ہوجاتی ہے اور انسان کی نظر سکس بائی سکس دیکھنا شروع کردیتی ہے۔

جس کی باطن کی آنکھ کمزور ہوتو اس کو حکم دیا گیا کہ تم اپنے بڑوں کی اتباع کرو۔ ان کے نقشِ قدم پر چلتے رہو، ان کی تقلید کرتے رہو گے تو تمہاری بصیرت کی کمی تمہیں نقصان نہیں دے گی۔ اسی لیے اگر دنیا کی منزل پر پہنچنا ہوتو رہبرِ راہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اگر روحانی دنیا کی منزل پر پہنچنا ہوتو متبعِ سنت شیخ کی ضرورت ہوتی ہے۔

آج کی دنیا میں اگر انسان کی بصارت کمزور ہوجائے تو اسے بڑی فکر لگی ہوتی ہے۔ آنکھ کے علاج کے لیے ڈاکٹروں کے پاس جانے کے لیے دوسرے شہروں کا سفر کرتا ہے۔ جبکہ انسان کی بصیرت کمزور ہوتی ہے، مگر وہ اس کے علاج سے بے پرواہ ہوتا ہے اور اسی طرح بے بصیرت زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔

⊙ ......انسان کی بصارت کمزور ہو تو دنیا کے حسن کا ادراک حاصل نہیں کر پاتا۔ مثال کے طور پر ایک بندے کی نظر بہت کمزور ہے۔ اس کی عینک گم ہوگئی تو اس کو چہرے صاف نظر نہیں آتے۔ اس کے سامنے ایک بہت خوبصورت بچے کو لائیں تو اس کو اتنا ہی اندازہ ہوگا کہ میرے سامنے ایک بچہ ہے، لیکن بچے کے چہرے پر کتنی معصومیت ہے، کتنی خوبصورتی ہے، اس کا اسے اندازہ نہیں ہو سکے گا۔ یا ایک پھول اس کے سامنے لایا جائے تو اس کو پھول کا تو پتہ چلے گا کہ شکل پھول جیسی ہے، لیکن پھول کی رعنائی کیسی ہے؟ بناوٹ کیسی ہے؟ نزاکت کیسی ہے؟ اس کا پتہ نہیں چلے گا، کیونکہ اس کے لیے بالکل صحیح بینائی چاہیے۔

بالکل اسی طرح بصیرت کا معاملہ ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اگر کم بصیرت والا انسان جنت میں پہنچ بھی گیا تو وہاں اس کو اللہ رب العزت کا جو دیدار نصیب ہوگا، اس سے یہ صحیح معنوں میں لطف اندوز نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کی لذت کا تعلق بصیرت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کے باطن کی نظر سکس بائی سکس ہوگی تو پھر اس کو لذتِ دیدار صحیح معنوں میں حاصل ہوگی۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ انسان کو اپنی بصیرت کے حاصل کرنے کے لیے کتنا فکرمند ہونا چاہیے۔

حضرت ابو دردا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَلْمُؤْمِنُ مَنْ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ مِنْ وَرَاءِ سِتْرٍ رَقِیْقٍ وَ اللّٰهِ! اِنَّهٗ لَلْحَقُّ یَقْذِفُهُ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِهِمْ وَ یُجْرِیْهِ عَلٰی اَلْسِنَتِهِمْ (احیاء علوم الدین: ۲۴/۳)

”مومن اللہ تعالیٰ کے نور کے رقیق پردے سے دیکھتا ہے، اللہ کی قسم یہ حق ہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں ڈالتے ہیں اور ان کی زبان پر جاری کر دیتے ہیں“

علمِ توسّم کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو ایسی فراست عطا کر دیتے ہیں جس سے ان کو دوسروں کی حقیقت کو سمجھنے کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔اسے نورِ فراست یا علمِ توسّم کہتے ہیں۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں:

اِنَّ لِلّٰہِ عِبَادًا یَعْرِفُوْنَ النَّاسَ بِالتَّوَسُّمِ (کنز العمال، رقم:۳۰۷۳۲)

''اللہ کے کچھ بندے ہوتے ہیں جو نشانیوں سے انسان کو پہچان لیتے ہیں۔''

سیما کہتے ہیں نشانیوں کو۔قرآن مجید میں یہ لفظ متعدد جگہ استعمال ہوا ہے۔

⊙......جیسے فرمایا:

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ﴾ (الحجر:۷۵)

''بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان کے لیے جو نشانیوں کو پہچان لیتے ہیں''

⊙......ایک جگہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرمایا:

﴿سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ (الفتح:۲۹)

''ان کے چہروں پر کثرت سجود کی وجہ سے نشان ہیں''

⊙......ایک جگہ فرمایا:

﴿وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَیْنٰکَھُمْ فَلَعَرَفْتَھُمْ بِسِیْمٰھُمْ﴾ (محمد:۳۰)

''اور اگر آپ چاہتے تو ہم آپ کو وہ لوگ دکھا دیتے، پس آپ اچھی طرح سے انہیں ان کی نشانیوں سے پہچان لیتے''

⊙......ایک جگہ فرمایا:

﴿وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ﴾ (الاعراف:۴۶)

''اوراعراف کے اوپر ایسے مرد ہوں گے کہ ہر ایک کو ان کی نشانی کی وجہ سے پہچان لیں گے''

⊙......فرمایا:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيمَاهُمْ﴾

(البقرۃ:۲۷۳)

''خیرات ان حاجت مندوں کے لیے ہے جو اللہ کی راہ میں رکے ہوئے ہیں، ملک میں چل پھر نہیں سکتے، ناواقف ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے انہیں مالدار سمجھتا ہے، تو ان کی نشانیوں سے ان کو پہچان سکتا ہے''

نشانیاں ہیں مگر دیکھنے والی آنکھ ہو تو پھر یہ نظر آتی ہیں۔ اگر آنکھ ہی دیکھنے والی نہ ہو تو پھر ان نشانیوں کا پتہ نہیں چلتا۔ آپ کی جیب میں سیل فون ہوتا ہے۔ اس میں میسج آجاتے ہیں۔ آپ کو میسج دیکھ کر پتہ چل جاتا ہے کہ امی بیمار ہے، ان کو شفا ہوگئی...... امی آج خوش ہے اور آج بہت افسردہ ہے۔ آپ کو یہ میسج کیسے ملتا ہے؟ ایک مادی چیز تھی، اس کے اوپر کچھ ایسی علامات آئیں جن کو دیکھ کر آپ نے اندازہ لگا لیا کہ یہ معاملہ ہے۔ جیسے ایک مادی چیز کو دیکھ کر آپ کو دور بیٹھے بات کا پتہ چل جاتا ہے ایسے ہی اللہ والوں کا بھی معاملہ ہے، ان کو بھی دنیا کی یہ ساری چیزیں میسج بھیج دیتی ہیں۔

قرآن مجید کی آیت ہے:

﴿وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ﴾

(الاسراء:۴۴)

''جو کوئی بھی چیز ہے وہ اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے''

تو معلوم ہوا کہ ہر چیز تسبیح بیان کر رہی ہے، مگر ہماری وہ آنکھیں نہیں جو اس کو دیکھ سکیں اور وہ کان نہیں جو اس کو سن سکیں۔ ہاں! اگر دل کی آنکھیں ہوں، باطن کی نظر ہو تو انسان اس کو سمجھ سکتا ہے۔

اسی لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا مانگی:

((اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْاَشْيَاءَ كَمَا هِيَ)) (تفسیر الفخر الرازی: سورہ الانعام)

''اے اللہ! چیزوں کی حقیقت جیسے ہے ہمیں وہ دکھا دیجیے''

ہمیں کیا پتہ چیزوں کی حقیقت کیا ہے؟ ہم تو باطن کی اندھے لوگ ہیں، پتا ہی نہیں چلتا کیا ہو رہا ہے کیا نہیں ہو رہا؟

رب کریم فرماتے ہیں:

﴿وَ كَذٰلِكَ نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾

(الانعام: ۷۵)

''اور ہم نے اس طرح ابراہیم کو زمین و آسمان کے عجائبات دکھائے''

تو جو کچھ دکھایا اس میں کچھ تو ہو گا؟ تو اس کا مطلب یہ کہ ابھی بہت کچھ ایسا ہے کہ جو ہماری آنکھوں نے نہیں دیکھا۔ یہ دل کی آنکھوں سے دیکھنا یہ ایک علم ہے جسے ''عِلْمُ التَّوَسُّم'' کہا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو یہ علم عطا کر دیتے ہیں اس کو پھر بندے کی پہچان ہو جاتی ہے۔ ایک نظر دیکھنے سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ کھرا ہے یا کھوٹا۔ یہ آنے والا بندہ کیسا ہے؟

حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کا بندے کو پہچاننا:

ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کراچی میں تھے۔تو ایک آدمی حضرت کے پاس آیا، وہ سلوک سے ہٹ کر کچھ اپنی بات کرنا چاہتا تھا۔اس نے کچھ میرے سامنے بات کر دی تو مجھے اندازہ ہو گیا۔میں نے حضرت سے کہا: حضرت! وہ فلاں صاحب تشریف لائے ہیں اور وہ آپ سے ذرا اس طرح کی بات کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ حضرت نے اس عاجز کی طرف دیکھا اور فرمانے لگے:''میں اس پیر پر لعنت بھیجتا ہوں جس کو کوئی بندہ ملنے کے لیے آئے اور اس کو یہ پتہ نہ چلے کہ کس مقصد کے لیے آیا ہے''۔یہ حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ تھے۔

ایک مرتبہ ہمارے علاقے کے ایک عالمِ دین تھے۔ وہ اس عاجز کے ساتھ چکوال حاضرِ خدمت ہوئے۔ان کا پہلے اتنا تعارف نہیں تھا، بیعت ہونے کے لیے گئے تھے۔تو جیسے ہی حضرت سے ملاقات ہوئی تو میں نے دو لفظوں میں عرض کر دیا کہ حضرت! یہ ہمارے علاقے کے بڑے عالم ہیں۔حضرت نے دیکھا، فرمانے لگے: ہاں! میں نے پڑھ لیا ہے۔تو معلوم ہوا کہ اللہ والوں کو ایک علم مل جاتا ہے، استعداد مل جاتی ہے، ایک قوت مل جاتی ہے، جو ان کو حقیقت سمجھنے کی یہ نعمت عطا کر دیتی ہے۔

ظن اور علمِ توسّم میں فرق:

یہاں ایک بات اور بھی ذہن میں رکھیں کہ ایک ہے انسان کا ظن اور ایک ہے علمِ توسُم۔دونوں میں فرق یہ ہے کہ ظن میں غلطی کا امکان زیادہ رہتا ہے۔خطا اور صواب دونوں ہو سکتے ہیں۔ظن ٹھیک بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی ہو سکتا ہے۔اس لیے انسان اس پر بھروسا نہیں کر سکتا۔لیکن علم توسُّم جب حاصل ہوتا ہے تو پھر خطا کا امکان

تقریباً ختم ہو جاتا ہے۔ صواب غالب ہو جاتا ہے۔

صاحبِ نظر لوگوں کی کیفیت:

اب جن لوگوں کو یہ نظر حاصل ہوتی ہے ان کی کیفیت کیا ہوتی ہے؟ اس بارے میں حدیث مبارکہ سن لیجیے! انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہتے ہیں:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم خَرَجَ يَوْمًا فَاسْتَقْبَلَهٗ شَابٌّ مِنَ الْاَنْصَارِ يُقَالَ لَهٗ: حَارِثَةُ

''نبی علیہ السلام تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں انصار کے نوجوان حارثہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملے''

فَقَالَ لَهٗ كَيْفَ اَصْبَحْتَ يَا حَارِثَةُ

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا: اے حارثہ! تم نے صبح کیسے کی؟

قَالَ: اَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا حَقًّا

انہوں نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میں نے پکے ایمان کے ساتھ صبح کی۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اُنْظُرْ مَا تَقُوْلُ فَاِنَّ لِكُلِّ حَقٍّ حَقِيْقَةً فَمَا حَقِيْقَةُ اِيْمَانِكَ؟

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: حارثہ! ہر چیز کی کوئی حقیقت ہوتی ہے، کوئی پہچان ہوتی ہے، آپ نے جو کہا: میں نے پکے ایمان کے ساتھ صبح کی تو تیرے ایمان کی علامت کیا ہے؟ ثبوت کیا ہے تیرے پاس؟

فَقَالَ عَرَفْتُ نَفْسِيْ عَنِ الدُّنْيَا فَاَسْهَرْتُ لَيْلِيْ وَ اَظْمَأْتُ نَهَارِيْ

''صحابی رضی اللہ عنہ جواب دیتے ہیں: میں نے اپنے نفس کو دنیا سے بے رغبت بنا لیا اور میں نے راتوں کو عبادت میں گزار دیا اور دن کو روزوں میں گزار دیا۔''

تین باتیں فرمائیں، ان تین باتوں سے اللہ نے میری کیفیت یہ بنادی ہے۔

كَاَنِّىْ اَنْظُرُ اِلٰى عَرْشِ رَبِّى بَارِزًا

جیسے میں آنکھوں سے اللہ کے عرش کو دیکھ رہا ہوں۔

وَ كَاَنِّىْ اَنْظُرُ اِلٰى اَهْلِ الْجَنَّةِ يَتَزَاوَرُوْنَ فِيْهَا

اور میں جیسے اہلِ جنت کو آنکھوں سے دیکھتا ہوں کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ ملاقاتیں کر رہے ہیں۔

وَ كَاَنِّىْ اَنْظُرُ اِلٰى اَهْلِ النَّارِ يَتَعَادُوْنَ فِيْهَا

اور جہنم کے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ کتوں کی طرح بھونک رہے ہیں۔

((فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَبْصَرْتَ فَالْزِمْ))

اس پر نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: تو نے معرفت کو پالیا اب اس کے اوپر تم جمے رہنا۔

جب ایمان دل کے اندر سما جاتا ہے تو پھر بندے کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے۔

بلکہ پھر نبی علیہ السلام نے ایک اور عجیب بات ارشاد فرمائی:

((عَبْدٌ نَوَّرَ اللّٰهُ الْاِيْمَانَ فِىْ قَلْبِهِ)) (شعب الایمان للبیہقی، رقم: ۸۴۵۰)

''یہ ایسا بندہ ہے کہ اللہ نے اس کے دل کو ایمان سے منور کر دیا ہے''

اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نورِ ایمان کی تصدیق فرمادی اس سے بڑی اور کیا بات ہو سکتی ہے؟

چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہی کیفیت تھی۔

حضرت علی ابنِ طالب رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

اِنَّهٗ لَيَنْظُرُ اِلَى الْغَيْبِ مِنْ سِتْرٍ رَقِيْقٍ (کنز العمال، رقم: ۳۷۱۹۳)

''وہ غیب کی باتوں کو باریک پردے سے دیکھتے تھے''

فراست اکابر کی نظر میں

⊙......نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ))(کنز العمال، رقم:۳۷۱۹۳)

''مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے نور سے دیکھتا ہے''

⊙......حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلتَّفَرُّسُ اَنْ يَرْكُضَ قَلْبُهٗ فَارِسًا بِنُوْرِ اللّٰهِ اِلٰى اَمْرٍ لَمْ يَكُنْ بَعْدُ فَيُدْرِكُهٗ (نوادر الاصول فی احادیث الرسول:۳/۸۸)

یہ فراست انسان کے دل کا نور سے بھر جانا ہے۔ لہٰذا اس کو بہت سارے ہونے والے کاموں کا ادراک ہو جاتا ہے۔

⊙......ابن ابی کعب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

قَلْبُ الْمُؤْمِنِ يَعْرِفُ الْحَقَّ قَبْلَ اَنْ يَتَبَيَّنَ لَهٗ لِمُوَافَقَتِهٖ اِيَّاهُ

''مومن کا دل حقیقت کو معلوم کر لیتا ہے اس سے پہلے کہ وہ حقیقت کھلے، اس موافقت کی وجہ سے جو اسے اللہ کے ساتھ ہوتی ہے'' (تفسیر البغوی:۳/۴۱۸)

کیونکہ دل شریعت کے ساتھ موافقت کرتا ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ ہونے والی باتوں کو اس کے سامنے کھول دیتے ہیں۔

⊙......ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اِذَا جَالَسْتُمْ اَهْلَ الصِّدْقِ فَجَالِسُوْهُمْ بِالصِّدْقِ...... اِنَّ الصِّدِّيْقَ

لَا تُخْطِئُ فِرَاسَتُهٗ (مدارج السالکین:۲/۴۸۵)

''جب تم سچوں کے پاس بیٹھو تو نیت کی سچائی کے ساتھ ان کے پاس بیٹھو، اس لیے کہ جو سچا ہوتا ہے اس کی فراست کبھی خطا نہیں کیا کرتی''

اس کو پتہ چل جاتا ہے۔

⊙......اور احمد بن عاصم الانطا کی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اِذَا جَلَسْتُمْ اَهْلَ الصِّدْقِ فَجَالِسُوْهُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّهُمْ جَوَاسِيْسُ الْقُلُوْبِ يَدْخُلُوْنَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَيَخْرُجُوْنَ مِنْ حَيْثُ لَا تَحُسُّوْنَ

(الرسالۃ قسریۃ:۱۰۶)

''جب تم سچوں کے ساتھ بیٹھو تو سچی نیت کے ساتھ بیٹھو۔ اس لیے کہ وہ دلوں کی جاسوس ہوتے ہیں، تمہارے دل میں داخل ہوتے ہیں اور دل سے نکلتے ہیں، اس طرح کہ تمہیں اس کا پتہ ہی نہیں چلتا۔''

اللہ والے دلوں میں جھانک لیا کرتے ہیں، اس لیے ان کے پاس بیٹھو تو دل کو سنبھال کر رکھو۔ اس کو شاعر نے کہا:

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

آنکھ کا نور اور چیز ہے اور دل کا نور اور چیز ہے۔ جس طرح ظاہر کی آنکھوں کی بینائی اللہ نے عطا کی ہے اسی طرح ہم باطن کی آنکھوں کی بینائی بھی اللہ سے مانگیں۔

حصولِ فراست کے لیے پانچ شرائط:

یہ باطن کی بینائی کیسے مل سکتی ہے؟ شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پانچ چیزوں سے یہ بینائی بندے کو حاصل ہو جاتی ہے:

① مَنْ غَضَّ بَصَرَهٗ عَنِ الْمَحَارِمِ

جس بندے نے حرام چیزوں سے آنکھوں کو بند کرلیا۔

یعنی آنکھوں کا پرہیز کرے۔

② وَ اَمْسَكَ نَفْسَهٗ عَنِ الشَّهَوَاتِ

اوراس نے اپنے نفس کو شہوات سے روک لیا۔

③ وَ عَمَّرَ بَاطِنَهٗ بِدَوَامِ الْمُرَاقَبَةِ

اوراس نے اپنے باطن کو مراقبہ کے اوپر مداومت دے دی۔

اس کو وقوف قلبی بھی کہتے ہیں، چنانچہ وقوف قلبی کا ہر وقت خیال رکھے۔

④ وَظَاهِرَهٗ بِاتِّبَاعِ السُّنَّةِ

اور ظاہر پر جس نے سنت کی اتباع کی۔

⑤ وَتَعَوَّدَ اَكْلَ الْحَلَالِ

اور حلال کھانے کی عادت بنالی۔

یہ پانچ شرطیں بتائیں کہ جس بندے نے یہ پانچ کام کرلیے،

لَمْ تُخْطِئْ فِرَاسَتُهٗ (الرسالۃ قسریۃ:۱۰۶)

''اس کی فراست کبھی خطا نہیں کرتی''

لٰہذا یہ پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جن کو ہم کریں تو اللہ تعالیٰ ہمیں بھی وہ نورِ فراست عطا فرمائیں گے جو کبھی خطا نہیں کرتا۔

حصولِ فراست کی پہچان:

جس بندہ کو یہ نعمت مل گئی ہو، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی پہچان بتائی ہے۔ ایک حدیث

مبارکہ میں ہے:

((اِذَا دَخَلَ النُّوْرُ الْقَلْبَ اِنْفَسَحَ وَ انْشَرَحَ))

''جب یہ نور دل میں داخل ہوتا ہے اس کو شرح صدر حاصل ہو جاتا ہے''

تو صحابی نے پوچھا:

قَالُوْا فَهَلْ لِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ يُعْرَفُ بِهٖ ؟

کہنے لگے کہ اے اللہ کے حبیب! اس کی علامت کیا ہے کہ معلوم ہو جائے کہ بندے کو شرح صدر نصیب ہو گیا؟

نبی علیہ السلام نے فرمایا:

① اَلْاِنَابَةُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ

پھر اس کو آخرت کی طرف انابت حاصل ہو جاتی ہے۔

② وَ التَّجَافِیْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ

دھوکہ والے گھر سے اس کا دل کٹ جاتا ہے۔

③ وَالْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِ الْمَوْتِ (سنن سعید بن منصور:۵:۸۸)

موت کے آنے سے پہلے وہ موت کی تیاری میں لگ جاتا ہے۔

یہ تین باتیں ارشاد فرمائیں کہ جس کے اندر یہ تین علامات دیکھو تو سمجھ لو کہ اللہ نے اس کا دل نور سے بھر دیا ہے۔

چار صاحبِ فراست لوگ:

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

اَفْرَسُ النَّاسِ ثَلَاثَۃٌ

تین بندے انسانوں میں سب سے زیادہ صاحبِ فراست گزرے ہیں۔

① اَلْعَزِیْزُ فِیْ یُوْسُفَ حَیْثُ قَالَ لِامْرَأَتِہٖ اَکْرِمِیْ مَثْوَاہُ ......

پہلے عزیزِ مصر تھے۔انہوں نے یوسف علیہ السلام کو اس وقت پہچان لیا تھا جب وہ ابھی بچے تھے۔لہٰذا اپنی گھر والی کو کہا کہ اس کا خیال رکھنا۔

② وَابْنَۃُ شُعَیْبٍ فِیْ مُوْسٰی حِیْنَ قَالَتْ لِاَبِیْھَا اِسْتَأْجِرْہُ ......

اور دوسرا شعیب علیہ السلام کی بیٹی تھیں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہچان لیا تھا اور اپنے باپ سے کہا تھا کہ ان کو آپ اجرت پر اپنے پاس رکھ لیجیے۔تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی نگاہِ بصیرت دی تھی۔

③ وَاَبُوْبَکْرٍ فِیْ عُمَرَ حَیْثُ اِسْتَخْلَفَہٗ بَعْدَہٗ (مصنف ابن شیبہ، رقم:۳۸۲۱۳)

اور تیسرے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اللہ نے بڑی فراست دی تھی جنہوں نے اپنے بعد عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا۔سبحان اللہ!

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا کہ میرے بعد آپ خلیفہ ہوں گے تو پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معذرت کی کہ یہ بوجھ زیادہ ہے، میں نہیں اٹھا سکتا۔ جب انہوں نے یہ کہا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ لیٹے ہوئے تھے، اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: ''لاؤ میرے پاس ذرا تلوار، میں اس شخص کی گردن کیوں نہ اڑا دوں جو امیر المؤمنین کی بات نہیں مانتا۔'' جب انہوں نے یہ بات کہی تو عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا، چنانچہ فرمانے لگے کہ اچھا میں حاضر ہوں۔ (الکامل فی التاریخ:۲/۲۷۱)

تو یہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فراست تھی، ورنہ ظاہراً صحابہ کو یہ نظر آ رہا تھا کہ یہ تو بڑی سخت طبیعت کے بندے ہیں، امت کا کیا بنے گا؟ مگر جب عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ نے

خلافت عطا فرمائی تو ان کے زمانے میں اسلام کو جو عزت ملی وہ نبی کی دعاؤں کی تائید بن کر آئی۔

④ وَفِیْ رِوَایَةٍ اُخْرٰی اِمْرَأَةُ فِرْعَوْنَ حِیْنَ قَالَتْ قُرَّةُ عَیْنٍ لِیْ وَلَكَ لَاتَقْتُلُوْهُ (تفسیر القیم لابن القیم، رقم:۲/۱۰)

اور ایک روایت میں ہے فرعون کی بیوی بھی بڑی فراست والی تھی کہ اس نے جب موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا جب کہ وہ ابھی بچے تھے، تو دیکھ کر کہہ دیا تھا کہ تم نے اس کو قتل نہیں کرنا۔

اب فرعون کو دیکھو! ہزاروں بچوں کو قتل کر واچکا تھا اور یہاں Home Department (اہلِ خانہ) نے کہہ دیا کہ اس کو قتل نہیں کرنا تو فرعون صاحب مان گئے۔ پتا نہیں عورتیں کیوں شکوے کرتی ہیں کہ خاوند بات نہیں مانتے؟ یہاں تو بڑے بڑے فرعون باتیں مانتے رہے۔

اکابر کی فراست کے واقعات

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فراست:

اس امت کے اندر اللہ رب العزت نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بہت فراست عطا فرمائی تھی۔ ان کے فراست کا ایک واقعہ سنیے:

جب آخری وقت آیا تو انہوں نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور اپنے ترکہ کے بارے میں ان کو وصیت فرمائی۔ یہ ایسے تقسیم کر دینا، یہ ایسے کر دینا، وہ ایسے کر دینا اور اپنی دونوں بہنوں کا خیال رکھنا۔ جب یہ کہا کہ اپنی دونوں

بہنوں کا خیال رکھنا۔ تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

اِنَّمَا هِيَ اَسْمَاءُ فَمَنِ الْاُخْرٰى

میری بہن تو صرف اسماء ہیں، یہ دوسری بہن کون سی ہے؟

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

ذُوْ بَطْنِ بِنْتِ خَارِجَةَ اَرَاهَا جَارِيَةً (سنن البیہقی الکبری: رقم: ۱۱۷۲۸)

تمہاری والدہ (بنتِ خارجہ) امید سے ہیں۔ میری نگاہیں دیکھتی ہیں کہ اللہ اس سے مجھے بیٹی عطا فرمائے گا۔

چنانچہ آپ کی وفات کے بعد اللہ نے آپ کو بیٹی عطا کی، یہ فراست ہوتی ہے۔ اس زمانہ میں الٹرا ساؤنڈ نہیں ہوتے تھے۔ اگر ایک مشین کی شعاعیں جاتی ہیں اور عورت کے پیٹ میں بیٹے یا بیٹی کو دیکھ لیتی ہیں تو اسی طرح اللہ والوں کی نگاہیں بھی شعاعیں بن جاتی ہیں اور انہیں اس کا ادراک ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو یہ نعمت عطا فرماتے ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فراست:

پھر اس امت میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اللہ نے بہت فراست عطا فرمائی تھی۔ وہ اس امت کے اندر افرس الناس تھے۔ ایسی فراست تھی کہ ان کی زبان پر وہ الفاظ نکل آتے تھے جو ہو بہو وہ وحی کے مطابق ہوا کرتے تھے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

مَاسَمِعْتُ عُمَرَ لِشَيْءٍ قَطُّ يَقُوْلُ اِنِّيْ لَاَ ظُنُّهٗ كَذَا اِلَّا كَانَ كَمَا يَظُنُّ (بخاری، رقم: ۳۸۶٦)

جب عمر رضی اللہ عنہ بات کرتے تھے تو میں سوچتا تھا کہ یہ کیسے ہوگی؟ مگر وقت آتا تھا تو بات وہی پوری ہوا کرتی تھی۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((قَدْ كَانَ فِي الْأُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ))

تم سے پہلے والی امتوں میں ایسے لوگ ہوتے تھے جو سچی باتیں کہا کرتے تھے۔

محدثون کا مطلب ہوتا ہے **ملھمون** جن کو اللہ تعالیٰ الہام فرماتے ہیں۔

فَإِنْ يَكُنْ فِي أُمَّتِي فَعُمَرُ

''اگر میری امت میں سے کوئی ہو تو وہ عمر ہوں گے''

تو عمر رضی اللہ عنہ کو گویا الہام ہو جاتا ہے، ان کے دل میں القا ہو جاتا تھا اور وہ بات سو فیصد قرآن مجید کی تعلیمات کے عین مطابق ہوتی تھی۔

صحابی نے پوچھا:

كَيْفَ يُحَدَّثُ

عمر رضی اللہ عنہ زبان پر کیسے حق بولتا ہے؟

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

تَتَكَلَّمُ الْمَلٰئِكَةُ عَلٰى لِسَانِهٖ (صحیح البخاری، رقم: ۳۵۷۷)

کہ ان کی زبان پر تو ملائکہ بولتے ہیں۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس امت کے امام المتوسمین تھے۔

ان کے دو واقعات سنیے:

⊙......ایک دفعہ خلافتِ فاروقی کے دور میں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک خواب دیکھا۔ خواب میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیدار ہوا، نبی علیہ السلام نے فجر کی نماز کی امامت فرمائی اور علی رضی اللہ عنہ

نے ان کے پیچھے نماز پڑھی۔اب ان کو پورا خواب یاد تھا کہ خواب میں پہلی رکعت میں کونسی صورت پڑھی دوسری رکعت میں کونسی صورت پڑھی، پھر سلام پھیرا اور پھر اللہ کے نبی مقتدیوں کی طرف چہرۂ انور کر کے بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک عورت آئی اس کے پاس کھجوروں کی ایک پلیٹ تھی۔اس نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں وہ کھجوریں پیش کیں۔ان میں سے دو کھجوریں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کھانے کے لیے دیں۔علی رضی اللہ عنہ نے وہ کھجوریں کھائیں وہ اتنی لذیذ تھیں کہ ان کو کھا کر بہت مزا آیا۔اور اسی دوران ان کی آنکھ کھل گئی۔ اتنا اچھا خواب دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے۔وہ فجر کی نماز کے لیے حسبِ معمول مسجد میں تشریف لائے۔عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے اور انہوں نے نماز کی امامت کروائی۔اور امامت میں انہوں نے وہی سورتیں پڑھیں جو انہوں نے خواب میں دیکھی تھیں۔پہلی رکعت میں بھی وہی سورت اور دوسری رکعت میں بھی وہی سورت پڑھی۔علی رضی اللہ عنہ بڑے حیران ہوئے۔پھر وہ اُسی طرح مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھ گئے۔اللہ کی شان دیکھیں کہ ایک عورت آئی اور اس نے امیر المؤمنین کی خدمت میں کھجوروں کا ہدیہ تحفہ پیش کیا۔عمر رضی اللہ عنہ نے وہ کھجوریں لیں اور ان میں سے دو کھجوریں اٹھائیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے دیں۔ آپ کھایئے!۔علی رضی اللہ عنہ نے جب کھائیں تو وہ بہت ہی مزیدار تھیں، بہت دل خوش ہوا۔انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو کہا کہ امیر المومنین! مجھے اور دے دیجیے۔عمر رضی اللہ عنہ مسکرائے اور فرمایا کہ اگر خواب میں آپ کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زیادہ دی ہوتیں تو میں بھی زیادہ دے دیتا۔

اس کو بصارت کہتے ہیں۔ یہ دل کی آنکھ ہوتی ہے جو ایسی باتوں کو دیکھ لیتی ہے۔ اور ایسی باتوں کو پہچان لیتی ہے۔

◉......عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ کہ ایک دن جب صبح ہوئی تو ایک نوجوان جو سترہ اٹھارہ سال کی عمر کا تھا وہ گلی کے اندر مرا ہوا پڑا ملا۔ کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ اسے کس نے مارا۔ بہت حیرانی ہوئی۔ بڑی کوششیں کیں کہ کچھ پتہ چلے مگر معلوم نہ ہو سکا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس بات کو سنا اور آپ بھی فکر مند ہوئے، مگر پتہ ہی نہ چلا کہ یہ کون ہے؟ کچھ مہینوں کے بعد عین اسی جگہ کے اوپر ایک نومولود بچہ پڑا ہوا ملا، وہ رو رہا تھا۔ کسی نے اٹھایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم میں بات لائی گئی کہ ایک بچہ ملا ہے جو نومولود ہے، کسی نے اس کو وہاں رکھ دیا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اتنی سی بات سے بات کی حقیقت کو پہچان لیا۔

انہوں نے اس نومولود بچے کو کسی عورت کے حوالے کیا اور اسے کہا کہ تو اس کو دودھ پلا، اس کو پال اور ذرا یہ نظر رکھ کہ مدینے کی کون عورت آتی ہے اور اس کو زیادہ پیار کرتی ہے؟ بس مجھے اتنا بتا دینا۔ کچھ دن گزرے تو ایک عورت ایسی بھی تھی جو کبھی آتی تھی بچے کو دیکھتی تھی اور بہت پیار کرتی تھی۔ تو اس نے عمر رضی اللہ عنہ بتا دیا کہ فلاں عورت ہے اور وہ بچے کو بہت پیار کرتی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار لی اور لے کر اس عورت کے گھر چلے گئے۔ دیکھا کہ اس کے والد دروازے پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے والد سے پوچھا کہ سناؤ! تمہاری بیٹی کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ وہ بہت پاکدامنی کی زندگی گزارنے والی، تہجد پڑھنے والی اور نماز کا اہتمام کرنے والی عبادت گزار بیٹی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا مجھے اجازت ہے کہ میں تیرے ساتھ تیرے گھر میں داخل ہو جاؤں؟ اس نے کہا: جی اجازت ہے۔ گھر کی عورتیں پردے میں ہو گئیں اور وہ اندر داخل ہو گئے۔ اندر جا کر امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے والد سے کہا کہ بھئی! اگر مجھے اجازت

دو تو میں تیری بیٹی سے ایک بات کرنا چاہ رہا ہوں۔ اس نے کہا: جی بات کر لیں۔ تو والد تھوڑا فاصلے پر چلے گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے کہا کہ مجھے ٹھیک بتاؤ تمہارے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا؟ پہلے تو وہ حیران ہوگئی کہ امیر المومنین کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ سچ بولو گی تو زندہ رہنے دوں گا۔ ورنہ یہ دیکھو میں تلوار لے کر آیا ہوں، تمہاری گردن اڑا دوں گا۔ جب یہ کہا تو اس وقت اس عورت نے کہا:

میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ کچھ عرصہ پہلے ایک بوڑھی عورت میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میری ایک بیٹی ہے جو جوان العمر ہے۔ میں سفر پر جا رہی ہوں اور مجھے ڈر ہے کہ پیچھے میری بیٹی اکیلی ہوگی تو اس کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ تو میری بیٹی کو کچھ عرصہ اپنے پاس رکھ لو۔ میں نے اس بوڑھی عورت کی بات پر اعتماد کر لیا اور اس کی بیٹی میرے گھر میں آگئی۔ اب جب اس کی بیٹی میرے پاس رہنے لگ گئی تو میں اس کے ساتھ بہت بے تکلف ہوگئی۔ حقیقت میں وہ لڑکی نہیں تھی لڑکا تھا۔ مگر اس کی ابھی داڑھی نہیں آئی تھی۔ ایک رات ایسے ہوا کہ گرمی زیادہ تھی اور میرے جسم پر بہت زیادہ کپڑے نہیں تھے اور میں سوئی ہوئی تھی۔ تو اس نوجوان کے اوپر شہوت غالب ہوئی اور اس نے اس وقت میرے ساتھ بدکاری کا ارتکاب کیا، مجھے ہوش آیا تو میرے تو وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے، میں تو بالکل اس سے مامون ہو کر سوئی تھی، توقع بھی نہیں کرتی تھی۔ جب اس نے یہ معاملہ کر لیا تو پھر مجھے پتہ چلا۔ میں نے خنجر اٹھایا اور میں نے غصے میں وہ خنجر اس کے پیٹ میں مارا حتی کہ وہ مر گیا۔ پھر میں نے رات کے اندھیرے میں اس کو فلاں جگہ کے اوپر ڈال دیا۔ یہ وہ نوجوان تھا جو آپ کو مرا ہوا ملا، مگر کسی کو پتہ نہ چلا کہ اس کو کس نے مارا؟ اب اس نے جو میرے

ساتھ بدکاری کی تو میں حاملہ ہوگئی۔ پھر کچھ عرصے کے بعد مجھ سے بیٹے کی ولادت ہوئی تو میں نے کہا کہ جہاں اس کے باپ کو ڈالا تھا اس کو بھی وہیں چھوڑ آتی ہوں۔ تو میں نے اس بچے کو وہیں جا کر ڈال دیا اور اس بچے کو آپ نے لیا اور آج آپ نے آ کر معاملے کو پہچان لیا اور میں نے آپ کو حقیقت بیان کر دی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو بہت دعائیں دیں اللہ تجھے اسی طرح پاکدامنی کی زندگی عطا کرے اور آ کر بتا دیا کہ اللہ نے معاملے کو حل کر دیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی فراست:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی اللہ نے عجیب فراست عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے:

وَحُكِيَ عَنْ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ دَخَلَ عَلَيْهِ بَعْضُ اَصْحَابِهٖ فَقَالَ يَدْخُلُ اَحَدُكُمْ بِعَيْنٍ زَانِيَةٍ

ایک شخص سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم میں سے ایک آدمی میرے پاس آتا ہے اور اس کی آنکھوں میں سے زنا ٹپکتا ہے۔

فَقَالَ اَوَحْيٌ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم؟

وہ گھبرا گیا اور کہنے لگا: کیا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد بھی وحی نازل ہوتی ہے؟

فَقَالَ: لَا وَلٰكِنْ فِرَاسَةٌ صَادِقَةٌ (شرح مسند ابی حنیفۃ، ص:۵۶۶)

کہا نہیں، یہ فراستِ صادقہ ہے۔

کہ مجھے تمہاری نگاہوں سے پتہ چل گیا کہ تم نے راستے میں آتے ہوئے بدنگاہی کی ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فراست:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اللہ رب العزت نے عجیب فراست عطا فرمائی تھی۔ ایک عورت تھی کسی نوجوان کے ساتھ بدنیت ہوگئی۔ اس نے اس نوجوان کو بہت بہلایا پھسلایا، مگر وہ نوجوان برائی پر آمادہ نہ ہوا، خیر کا زمانہ تھا۔ عورت جب مکر پر آجائے تو ہر ایک کو پیچھے چھوڑ جاتی ہے۔ اس عورت نے کیا مکاری کی کہ اچانک شور مچا دیا کہ اس نوجوان نے میرے ساتھ بدکاری کی ہے۔ اور اس کے کپڑے کے اوپر پانی کے آثار بھی نظر آرہے تھے۔ امیر المومنین کے پاس مقدمہ آگیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پاس بیٹھے ہوئے تھے، عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا کہ جی آپ فیصلہ کریں۔ اب عورت شور مچا رہی ہے کہ اس نے میرے ساتھ زبردستی یہ کام کیا ہے، اور دیکھو! میرے کپڑوں پر اس کا پانی بھی لگا ہے۔ اس لڑکے کو بلا کر پوچھا گیا تو اس نے کہا: بات یہ ہے کہ اس نے مجھے گناہ کی دعوت دی اور اللہ نے میری حفاظت فرمائی میں نے اسے کہا کہ نہیں میں یہ کام نہیں کرسکتا۔ قَالَ مَعَاذَ اللّٰہِ (کہا: میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں) حضرت علی رضی اللہ عنہ معاملے کو پہچان گئے۔ آپ نے خوب گرم پانی منگوایا۔ اور جب اس عورت کے کپڑے کا وہ حصہ اس گرم پانی کے اندر ڈالا تو وہ فوراً جم کر سفید ہوگیا۔ جب اس کو الگ کیا، اس کی مہک دیکھی اور اس کا ذائقہ کسی کو چکھوایا تو وہ انڈے کا تھا۔ تو اس عورت نے مکر یہ کیا تھا کہ انڈے کی زردی الگ کر کے اس کی جو سفیدی تھی وہ کپڑوں پر ڈال دی اور کہہ دیا کہ اس نے بدکاری کی ہے اور یہ اس کا پانی ہے۔

سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی فراست:

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں تھے سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ۔ وقت کے شیخ تھے۔

ان کا ایک عجیب واقعہ سنیے! ایک دفعہ انہوں نے جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو فرمایا کہ آپ مسجد میں درسِ قرآن دینا شروع کر دیں۔ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے دل میں سوچا کہ میں تو اس قابل نہیں، لہٰذا میں درس نہیں دوں گا۔ انکار کر دیا۔ جب انکار کر دیا تو رات کو خواب میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا: جنید! تم درس قرآن کیوں نہیں دیتے؟ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم درسِ قرآن کیوں نہیں دیتے؟ تو جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں صبح درسِ قرآن دوں گا۔ اب صبح اٹھے تو اپنے ماموں کے پاس گئے کہ میں ماموں کو بتاؤں کہ مجھے یہ خواب آیا ہے۔ جب وہ گئے تو سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھتے ہی پوچھا کہ جنید! جب تمہیں نبی علیہ السلام سے حکم ہو ہی گیا ہے تو میرے پاس کیا لینے آئے ہو؟ یہ نورِ فراست ہوتا ہے۔ (روض الریاحین)

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی فراست:

یہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں درس دینے کے لیے گئے۔ اتنے میں ایک نوجوان آیا جو بہت خوبصورت تھا، عمامہ باندھا ہوا تھا۔ اور کپڑے پہنے ہوئے تھے، اس نے آ کر جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ جی میں ایک حدیث مبارکہ کے بارے میں پوچھنے آیا ہوں۔ یہ جو حدیث ہے

((اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ)) (سنن الترمذی، رقم: ۳۰۵۲)

اس کا کیا معنی ہے؟ جب اس نے یہ پوچھا تو جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف دیکھا اور دیکھ کر فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ او نصرانی کے بیٹے! اب تو اسلام قبول کر لے۔ تو اس کے پسینے چھوٹ گئے۔ کہنے لگا: واقعی مجھے عیسائیوں نے تیار کر کے بھیجا تھا کہ

تو مسلمانوں کی شکل بنا کر اور کپڑے پہن کر جا اور یہ بات پوچھنا اور جب وہ تجھے اس کا معنی بتائیں تو کہنا کہ آپ بھی ولی کہلاتے ہیں اور آپ تو مجھے نہ پہچان سکے کہ میں مسلمان ہوں یا عیسائی، لیکن میرے آنے پر آپ نے مجھے پہلے ہی پہچان لیا۔اب کلمہ پڑھا کر مجھے مسلمان کر لیجیے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فراست:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی فراست عطا فرمائی تھی۔ان کے بے شمار عجیب وغریب واقعات ہیں۔ان کی فراست میں ایک یہ بات تھی کہ جو بندہ وضو کرتا تھا تو جو پانی اعضا کو لگ کر نیچے گرتا تھا اس بہتے پانی کو دیکھ کر بتا دیتے تھے کہ اس کے کونسے گناہ اس وضو کے پانی میں ڈھل رہے ہیں۔

ایک بندے کو فرمایا کہ تم اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کیا کرو۔اور اس نوجوان نے مانا کہ میں اپنے ماں باپ کی نافرمانی کرتا ہوں۔

ایک نوجوان کا غسل کا پانی دیکھا تو اس کو بلا کر سمجھایا کہ زنا بہت برا گناہ ہے۔ اس نے تسلیم کیا کہ اس سے یہ گناہ ہوا ہے چنانچہ اس نے توبہ کی۔اس کے بعد آپ نے فتوی دیا کہ مستعمل پانی کو وضو میں استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

سید احمد بدوی رحمۃ اللہ علیہ کی فراست:

سید احمد بدوی رحمۃ اللہ علیہ مصر میں ایک بزرگ گزرے ہیں۔اللہ نے ان کو بہت نورِ فراست عطا کیا تھا۔چنانچہ حکومت نے علما کو کہا کہ ذرا ان کے پاس جائیں اور پوچھیں کہ ان کا عقیدہ کیا ہے؟ ان سے جو کرامات ظاہر ہوتی ہیں کہیں یہ خوارقِ عادات تو نہیں۔تو یہ ابن دقیق العید کے ذمے لگا کہ آپ پتا کریں۔انہوں نے عبدالعزیز

دیرینی رحمۃ اللہ علیہ کو کہا کہ آپ ان کے پاس جائیں اور یہ یہ سوالات پوچھیں۔ جب وہ ان کے پاس گئے تو انہوں نے کہا کہ اچھا! آپ مجھ سے سوالات پوچھنے آئے ہیں۔ آپ یہ سوال پوچھنا چاہتے ہیں اور یہ اس کا جواب ہے۔ سوال بھی بتا دیا اور اس کا جواب بھی بتا دیا۔

ابراہیم دسوقی رحمۃ اللہ علیہ کی فراست:

ابراہیم دسوقی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس علما نے دس بندوں کو بھیجا، ہر ایک کو ایک ایک سوال بتایا کہ تم نے یہ سوال پوچھنا ہے۔ جب سب اس کے پاس گئے تو وہ مسکرائے اور کہنے لگے: آؤ بیٹھو! ہر بندے کو کہا: تو یہ سوال پوچھنا چاہتا ہے اس کا یہ جواب ہے۔ تم یہ پوچھنا چاہتے ہو، اس کا یہ جواب ہے۔ دس بندوں کو دس سوال بھی بتا دیے اور ان کے جواب بھی عطا کر دیے۔

مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی فراست:

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ ہمارے سلسلہ عالیہ کے ایک بزرگ ہیں۔ اللہ نے ان کو بھی بہت نورِ فراست عطا کیا تھا۔ ایک دفعہ ایک صاحب ان کے پاس آئے اور انگور پیش کیے کہ حضرت! یہ کھا لیجیے۔ حضرت جب منہ کے قریب لے کر گئے تو واپس رکھ دیے کہ بھئی! مجھے اس میں سے مردوں کی بو آ رہی ہے۔ میں نہیں کھا سکتا۔ وہ صاحب بڑے حیران ہوئے، وہ سیدھا پھل والے کی دکان پر گئے اور اس سے کہا کہ میں نے تم سے یہ پھل خریدا تھا یہ تم نے کہاں سے لیا تھا؟ اس نے کہا کہ فلاں شخص آتا ہے اور مجھے بیچ کر جاتا ہے میں نے اس سے لیا۔ یہ اس بندے کے پاس گئے، جا کر دیکھا تو اس بندے نے قبرستان کے اندر انگوروں کی بیلیں لگائی ہوئی تھیں۔ تو

قبرستان کے اندر جو انگوروں کی بیلیں لگیں ان پر جو انگور لگے وہ ان کے ہاتھ آئے تو ان کو منہ کے قریب لے جانے سے ان کو معلوم ہوا کہ مردوں کی بو آرہی ہے۔

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی فراست:

قریب کے زمانے میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گزرے ہیں۔ان کو بھی اللہ نے یہ نورِ باطن عطا کیا تھا۔چنانچہ پھلوں کو دیکھ کر پہچان لیتے تھے کہ اس پھل کی بیع صحیح ہوئی ہے اور یہ پھل بیع باطل کا پھل ہے۔پھل کو دیکھ اندازا ہو جاتا تھا کہ اس کی بیع ٹھیک تھی یا نہیں۔فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بازار میں جا رہا تھا مجھے ایک مجذوب ملا۔ میں نے سلام کیا، انہوں نے مجھے پہچانا۔وہ مجھ سے پوچھنے لگے: احمد علی ! انسان کہاں بستے ہیں؟ بازار لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔میں نے کہا: حضرت! یہ سب انسان ہی تو ہیں۔ جب میں نے یہ کہا تو انہوں نے ایک عجیب اچٹتی ہوئی نظر لوگوں پر ڈالی اور فرمایا: یہ سب انسان ہیں؟ جب انہوں نے یہ کہا تو میری کیفیت ایسی ہوئی کہ مجھے پورا بازار کتے بلے اور خنزیروں سے بھرا ہوا نظر آیا۔کوئی کوئی انسان تھا ورنہ سب جانور تھے۔ جب میری یہ کیفیت ختم ہوئی تو مجذوب صاحب تو جا چکے تھے۔لیکن اس کے بعد حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے درسِ قرآن میں یہ واقعہ سناتے تھے اور سنا کر فرماتے تھے کہ ؎

مالک تو سب کا ایک ، مالک کا کوئی ایک
لاکھوں میں نہ ملے گا کروڑوں میں دیکھ

حضرت عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی فراست:

ہمارے حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اللہ رب العزت نے

عجیب نورِ باطن عطا فرمایا تھا۔

◉ ......کوئی کھانا جو مشتبہ ہوتا، حرام مال سے بنایا ہوتا، ان کو اندازہ ہو جاتا تھا۔ بعض دفعہ لوگوں نے ان کے سامنے بھنے ہوئے مرغے اور گوشت رکھے اور دال بالکل حلال پیسے کی بنا کر رکھی۔ حضرت نے پورے دستر خوان سے صرف دال کو کھایا اور کسی چیز کو ہاتھ ہی نہیں لگایا۔

◉ ......ہمارے حضرت مرشدِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن قاسمی رحمۃ اللہ علیہ بہت عجیب نوجوان تھے، اللہ نے بڑی صفات سے نوازا تھا۔ انہوں نے خود اپنا واقعہ سنایا۔ فرماتے ہیں: ایک دفعہ ابا جی حضرت مرشدِ عالم رحمۃ اللہ علیہ بیرون ملک گئے ہوئے تھے۔ اور حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ اسلام آباد سے واپس خانیوال جا رہے تھے۔ واپسی پر وہ چکوال تشریف لائے۔ فرماتے ہیں کہ مجھے بہت خوشی ہوئی کہ مجھے حضرت کی خدمت کا موقع مل جائے گا۔

میں نے حضرت کو بٹھایا پانی پلایا اور جب کھانے کا وقت ہوا تو کھانا لا کر رکھا اور عرض کیا کہ حضرت! کھانا کھا لیجیے۔ حضرت نے کھانے کی طرف دیکھا اور دیکھ کر پھر میرا چہرہ دیکھا۔ میں نے کہا: حضرت! کھانا کھا لیجیے۔ پھر حضرت نے میری طرف دیکھا اور کہا کہ قاسمی! تمہارے گھر یہ سؤر کیسے داخل ہوا؟ کہنے لگے: میں گھبرا گیا میں نے والدہ صاحبہ سے کہا کہ حضرت تو کھانا نہیں کھا رہے۔ وہ تو فرما رہے ہیں کہ تمہارے گھر یہ سؤر کیسے داخل ہوا؟ کہنے لگے: والدہ صاحبہ نے اسی وقت سر پکڑ لیا اور کہنے لگیں: اوفوہ! مجھ سے بڑی غلطی ہوئی، یہ جو میری ہمسائی ہے، یہ بڑے عرصے سے میرے پیچھے پڑی ہوئی تھی کہ اس دفعہ تمہارے پیر صاحب آئیں گے تو ان کا کھانا میں بناؤں گی۔ اور پڑوس کے حق کی وجہ سے میں نے کہہ دیا کہ اچھا تم بنا لینا یہ کھانا

ہمارے گھر کا نہیں یہ ان کے گھر سے بن کر آیا ہے۔ اس کے بعد والدہ صاحبہ نے خود کھانا بنایا اور حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے وہ کھانا کھایا۔

⊙......حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ نماز کی امامت خود فرماتے تھے۔ چنانچہ جب مکبر پیچھے اقامت کہہ لیتا تو تھوڑے وقفے کے بعد یعنی پندرہ بیس سیکنڈ، آدھا منٹ کے بعد حضرت نیت باندھتے تھے۔ عام عادت تو یہی ہے کہ جیسے ہی قامت کہی جائے، جب قد قامت الصلوۃ کہہ دیا تو اس سے متصل تم نیت کرلو۔ مگر تھوڑا سا توقف ہوتا۔ حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت میں تو علما بہت ہوتے تھے اور علما کی تو ایک ایک چیز پر نظر ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ ایک عالم نے پوچھ ہی لیا: حضرت! آپ جو اقامت کے بعد تھوڑی دیر کے لیے توقف فرماتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ سن کر حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مولوی صاحب! آپ تو علم والے لوگ ہیں، آپ کی کیفیت تو ہر وقت بنی رہتی ہے اور میں تو فقیر سا آدمی ہوں، میں تو مصلے پر جب کھڑا ہوتا ہوں جب تک مجھے بیت اللہ سامنے نظر نہیں آتا میں تکبیر نہیں کہتا۔

یہ باطن کی نظر ہوتی ہے جو اللہ رب العزت نے عطا کی ہوتی ہے۔

حضرت بابو جی عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی فراست:

اس عاجز کو اپنی زندگی میں ایک بزرگ کی خدمت میں رہنے کا موقع ملا، جن کا نام تھا حضرت بابو جی عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ۔ مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔ جو دعا کیا کرتے تھے ہم اپنی آنکھوں سے اس دعا کی قبولیت کو دیکھا کرتے تھے۔

⊙......ان کی ایک خاص بات تھی یہ کہ جس شخص کے بارے میں وہ دعا کر دیتے کہ اسے نبی علیہ السلام کی زیارت ہو! اسے تین دنوں کے اندر اندر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت

نصیب ہو جاتی تھی۔ چنانچہ مجھے آج بھی یاد ہے کہ ہمارے شہر کے تبلیغی جماعت کے ایک امیر تھے، امیر دین ان کا نام تھا۔ اس عاجز سے بہت محبت فرماتے تھے۔ ایک دن فجر کے وقت ہمارا دروازہ کھٹکھٹایا۔ فرمانے لگے: میں کثرت سے درود شریف پڑھتا ہوں اور دل میں بڑی چاہت ہے کہ نبی علیہ السلام کی زیارت نصیب ہو جائے، مگر مجھے کبھی ایسے واضح زیارت نصیب نہیں ہوئی۔ تو میں آج آپ کے پاس آیا ہوں کہ شاید آپ کوئی ایسا عمل جانتے ہوں جس سے مجھے یہ سعادت نصیب ہو جائے۔ میں نے کہا: امیر صاحب! مجھے عمل کا تو پتہ نہیں، البتہ میں نے کل فلاں جگہ جانا ہے، وہاں ایک اللہ والے بزرگ رہتے ہیں، آپ اگر ساتھ چلیں تو میں آپ کو ملا دوں گا اور ان سے دعا کرا دوں گا۔ اگلے دن وہ اس عاجز کے ساتھ لاہور چل پڑے۔ وہاں پہنچ کر ان کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت! ہمارے شہر کے امیر ہیں اور بہت چاہتے ہیں کہ ان کو زیارت نصیب ہو تو دعا فرما دیجیے۔ باباجی رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ یوں ہاتھ اٹھا کر بس ایک فقرہ بولتے تھے۔ اس وقت بھی انہوں نے ہاتھ اٹھا کر بس یہ کہا: اللہ! اس شخص کو اپنے محبوب کا دیدار عطا فرما، واپس آ گئے۔

واپس آنے کے بعد ابھی دو دن نہیں گزرے تھے کہ فجر کے بعد دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ میں باہر نکلا تو دیکھا کہ امیر صاحب کھڑے ہیں۔ میں نے پوچھا: امیر صاحب! کیسے تشریف لانا ہوا؟ کہنے لگے کہ میں یہ ایک لفافہ لے کر آیا ہوں، یہ شکریہ کا خط ہے، مجھے ان کا پتہ بتا دیں تاکہ اس عظیم سعادت پر ان کا شکریہ ادا کر سکوں۔ جو محنت کرتے ہیں پھر اللہ رب العزت ان کو ایسی نعمتیں عطا فرماتے ہیں۔

⊙......ایک مرتبہ یونیورسٹی کے کوئی بیس تیس لڑکے تھے وہ اس عاجز کے ساتھ ان کو ملنے کے لیے گئے۔ وہ دن شاید زندگی کا مشکل ترین دن تھا۔ ہم جب ان سے ملے تو

میں نے عرض کیا کہ حضرت! یہ میرے یونیورسٹی کے ساتھی ہیں اور سب طالب علم ہیں اور ملنے کے لیے آئے ہیں۔فرمایا: انہیں لے آؤ۔اب ان میں سے ایک آیا، جیسے ہی اس کو دیکھا، کہا: جھوٹ مت بولا کرو۔اس کو تو پسینے آگئے......دوسرا آیا، اسے فرمایا: تم بدکاری کے مرتکب ہوتے ہو......پھر تیسرا آیا......پھر چوتھا آیا......تیس کے تیس طلبا آئے اور جیسے کوئی سکیننگ مشین ہوتی ہے۔ ہر ایک کو انہوں نے اس کے گناہ کے بارے میں بتایا اور ہر بچے نے اس کی تصدیق کی کہ انہوں نے بالکل ٹھیک بات کہی۔ ایسا نورِ باطن اللہ نے ان کو عطا فرمایا تھا۔

نورِ باطن کو حاصل کرنے کی ضرورت:

اب اس نورِ باطن کی ضرورت اس لیے ہے کہ آج اگر دنیا میں ہم نے اس نور کو حاصل نہ کیا تو قیامت کے دن بھی ہمیں بینائی نہیں ملے گی۔روزِ قیامت انسان کو جو بینائی ملے گی اس نورِ باطن کی وجہ سے ملے گی۔قرآن مجید کی آیت سن لیجیے:

﴿وَمَن كَانَ فِيْ هٰذِهٖ أَعْمٰى فَهُوَ فِي الآخِرَةِ أَعْمٰى وَأَضَلُّ سَبِيلاً﴾

(بنی اسرائیل:۷۲)

''جو دنیا میں اندھا بن کر زندگی گزارتا رہا قیامت کے دن بھی اندھا ہوگا''

اور وہ پوچھے گا:

﴿رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْ أَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْراً﴾ (طٰهٰ:۱۲۵)

''اللہ! مجھے کیوں اندھا کھڑا کیا گیا میں دنیا میں تو آنکھوں والا تھا۔''

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

﴿قَالَ كَذٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى﴾

(طٰهٰ:۱۲۶)

''تمہارے پاس ہماری آیتیں آئی تھیں تم نے ان کو بھلا دیا تھا آج ہم نے تمہیں بھلا دیا۔''

آج اگر باطن کی آنکھیں کھلی ہوں گی تو کل قیامت کے دن کھلی آنکھوں کے ساتھ کھڑے ہوں گے اور آج اگر من کی آنکھیں بند رہیں تو کل قیامت کے دن بند آنکھوں کے ساتھ کھڑے ہوں گے۔ پھر سوچیے کہ کتنا بڑا نقصان ہوگا!! اگر قیامت کے دن بھی اندھے کھڑے کیے گئے تو کیا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہاں بھی زیارت نہ کر سکیں گے؟ دنیا میں ہم تو ایسے وقت میں پیدا ہوئے ہیں کہ اللہ کے حبیب ﷺ کا دیدار کرنے سے محروم ہیں، ہمارے پاس تو ایک ہی آپشن ہے کہ دنیا میں ہم اللہ سے یہ نورِ باطن مانگیں، تا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہمیں اندھا کھڑا نہ کرے۔

بڑا دل چاہتا ہے کہ ہم

......اس چہرے کو دیکھیں جسے آپ نے والضُّحٰی کہا۔

......ان زلفوں کو دیکھیں جنہیں آپ نے واللَّیل فرمایا۔

اللہ! وہ اوپر آسمان کی طرف دیکھتے تھے اور آپ فرماتے تھے:

﴿ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ﴾ (البقرۃ:۱۴۴)

اے میرے محبوب! آپ آسمان کی طرف دیکھتے تھے ہم آپ کے چہرے کو محبت کے ساتھ دیکھتے تھے۔

دل بہت چاہتا ہے کہ قیامت کے دن ان کا دیدار کریں، لیکن دیدار تو تب کریں جب قیامت کے دن دل کی آنکھیں ملیں۔ اور وہ آنکھیں دنیا کے نورِ باطن پر ملیں گی۔ یہ نور تب ملے گا اگر ہم اسی دنیا میں محنت کریں گے۔ اللہ رب العزت ہمیں اس کی سمجھ عطا فرمائے، تا کہ ہم گناہوں بھری زندگی سے توبہ کر کے نیکو کاری والی زندگی

اختیار کریں اور اپنے من کو اس نور سے بھر لیں۔ جو قیامت کے دن نبی علیہ السلام کا بھی دیدار کر لے اور اگر جنت میں جانا نصیب ہو تو پھر اللہ رب العزت کا بھی دیدار ہو جائے۔

﴿وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾

بیان: محبوب العلماء والصلحاء، زبدۃ السالکین، سراج العارفین

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 28 مارچ 1993ء بروز اتوار شوال ۱۴۱۳ھ

اقتباس

اس دنیا نے ہزاروں کو موٹا کیا اور نگل لیا۔ کتنے لوگ ہیں فقط اس لیے پل رہے ہوتے ہیں، کہ کیڑوں کی غذا بننا ہوتا ہے اور وہ اس چیز کو نہیں جانتے کہ ہم جو اپنے جسم پہ گوشت چڑھا رہے ہیں، ہمارا یادِ الٰہی سے دور ہو کر جو وقت گزر رہا ہے یہ گویا ہم اپنے آپ کو کیڑوں کی غذا کے لیے تیار کر رہے ہیں۔ تو اس دنیا نے ہزاروں کو موٹا کیا اور نگل لیا اور کیڑوں نے ان جسموں کو کھا لیا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ رب العزت کی بندگی کرتے ہوئے اپنی زندگی گزاریں۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾
وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم
((اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَ جَنَّةُ الْكَافِرِ)) (المسلم، رقم: ۵۶۵۲)
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

دنیا فانی ہے:

انسان کی زندگی ٹمٹماتے چراغ کے مانند ہے، بوڑھا آدمی اگر چراغِ سحر ہے تو جوان آدمی چراغِ شام ہے۔ جس طرح چراغ ہوا کے ایک جھونکے سے بجھ جایا کرتا ہے اسی طرح انسان کی زندگی ختم ہونے کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ دنیا فانی ہے، یہاں کی ہر چیز عارضی ہے، یہاں کے غم بھی عارضی، یہاں کی خوشیاں بھی عارضی۔ حالات ادلتے بدلتے ہیں، جس گھر میں آج خوشیاں منائی جارہی ہیں کل اسی گھر میں غم منایا جارہا ہوتا ہے۔ کہیں آج خزاں ہے، کہیں آج بہار ہے۔ کہیں سردی ہے تو کہیں گرمی ہے۔ کوئی ہنس رہا ہے تو کوئی رو رہا ہے۔ کوئی دے رہا ہے تو کوئی لے رہا ہے۔ کوئی صحت کی

حالت میں ہے تو کوئی بیماری کی حالت میں ہے۔ دنیا کے انسان مختلف حالات میں ہیں، تاہم کوئی بھی حالت ہمیشہ نہیں رہتی، بالآخر ختم ہو جائے گی۔

دنیا ایک دن کی ہے:

حضرت ابوالفضل محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

﴿اَلدُّنْیَا یَوْمٌ وَّ لَنَا فِیْهَا صَوْمٌ﴾ (کشف المحجوب)

''دنیا تو ایک دن کی ہے اور ہم نے تو اس ایک دن کا روزہ رکھا ہوا ہے''

تو مومن اس دنیا کے اندر من مانیاں نہیں کرتا، عیش و آرام کے پیچھے نہیں لگتا بلکہ اللہ رب العزت کا فرمانبردار بندہ بن کر زندگی گزارتا ہے۔ فرمایا گیا:

((فَاِنَّکُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَةِ وَ الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ))

(شعب الایمان للبیہقی، رقم:۱۰۵۸۱)

''بے شک تمہیں آخرت کے لیے پیدا کیا گیا اور یہ دنیا تمہارے لیے پیدا کی گئی۔''

دنیا، مومن کے لیے قید خانہ:

حدیث پاک میں ہے:

((اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَ جَنَّةُ الْکَافِرِ))

''دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت ہے''

تو مومن کو یہاں شریعت وسنت کی پابندی کے ساتھ زندگی گزارنی ہے۔ جو جس قدر اس کی اتباع کرے گا، اتنا ہی کامیاب ہوگا۔ اللہ رب العزت کی یہ رحمتیں ہیں کہ انسان نیکی کرتا ہے تو اس کے خلوص کے بقدر اللہ تعالیٰ نیکی کا اجر کئی گنا زیادہ دے

دیتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کو نیکی کا اجر دس گنا ملتا ہے، بعض لوگوں کو ستر گنا ملتا ہے، بعض لوگوں کو سات سو گنا ملتا ہے اور بعض لوگوں کو

﴿وَ اللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (البقرة:۲۶۱)

''اللہ تعالیٰ بڑھا دیتے ہیں (نیکیاں) جس کے لیے چاہتے ہیں''

تو اخلاص کے ساتھ اللہ رب العزت کی عبادت کرنا، بندگی کرنا، نیکی کرنا، یہ اللہ رب العزت کو پسندیدہ ہے۔ اگر دکھلاوا آ گیا تو پھر عمل ضائع کر دیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ پھٹے ہوئے کپڑے کی طرح اس عمل کو اللہ تعالیٰ اس بندے کے منہ پر مار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جن کو دکھانے کے لیے تو نے یہ عمل کیا انہی کو جا کر دکھا، میرے پاس اس کے لیے کوئی اجر و ثواب نہیں۔ تو ہم اخلاص کے ساتھ نیک اعمال کریں۔

انسان......دنیا کے دھوکے میں گرفتار:

دنیا ایسی ہے کہ ہر بندے کا دل اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اچھے اچھے لکھے پڑھے دانا بینا لوگوں کو دھوکا لگ جاتا ہے، نمازوں پہ نمازیں قضا ہو رہی ہوتی ہیں، پروا نہیں ہوتی۔ کہنے کو عورت ایم اے کی تعلیم یافتہ ہوگی، کہنے کو کالج میں پڑھاتی بھی ہوگی، کہنے کو وہ بڑی امیر کبیر عورت ہوگی، سمجھدار ہوگی، بڑے بڑے معاملات کو سلجھا لیتی ہو گی، مگر نماز میں سستی کرتی ہوگی۔ کیوں؟ آخرت کا یقین دل میں نہیں بیٹھا، اگر یقین بیٹھ جاتا تو ایک وقت کی نماز بھی قضا نہ ہوتی۔ کسی عارف نے کیا اچھی بات کی! شیطان نے انسان کو ایک سجدہ کرنے سے انکار کیا اسے دربار سے دھتکار دیا گیا، بے نماز آدمی تو ایک دن میں ستر سجدوں کا انکار کرتا ہے۔ اس لیے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بے نمازی کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کرنا

چاہیے۔اور ایک جگہ لکھتے ہیں: ایک بے نمازی کی نحوست ستر (۷۰) گھروں تک جاتی ہے۔اب جس گھر میں سب کے سب بے نمازی ہوں وہاں نحوست کا کیا عالم ہوگا؟

مال پیسہ سمیٹنے سے انسان کا دل نہیں بھرتا۔دنیا کے طالب کی مثال سمندر کا پانی پینے والے کے مانند ہے۔سمندر کا پانی جتنا پیا جائے، پیاس اور بڑھتی ہے،انسان دنیا کو جتنا بھی جمع کرلے اس کی حرص اور بڑھتی ہے۔بلکہ حضرت علی ﷛ نے فرمایا:

((اَلدُّنْیَا جِیْفَةٌ فَمَنق اَرَادَھَا فَلْیَصْبِرُ الْکِلَاب)) (کشف الخفاء:۱/۴۰۹)

''دنیا مردار ہے اور اس کے طلب کرنے والے کتے کے مانند ہیں''

جیسے مردار کو کتے کھاجاتے ہیں، دنیادار آدمی بس مال سمیٹنے کے پیچھے پڑا ہوتا ہے، نماز روزہ سے اس کو کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔

بلکہ بعض بزرگوں نے کہا کہ دنیا کمانے والا دنیا کا طالب جو اللہ کی یاد سے غافل ہوکر، نماز روزہ سے غافل ہوکر زندگی گزار رہا ہو، اس کی مثال گدھ سے بھی گئی گزری ہے۔اس لیے کہ گدھ اگر مردار کھاتا ہے تو اس کا پیٹ بھر جاتا ہے، دنیا دار آدمی دنیا جتنی بھی کمائے اس کا دنیا سے پیٹ نہیں بھرتا۔دنیا دار آدمی کا پیٹ قبر کی مٹی بھرا کرتی ہے، حالانکہ مال پیسہ سب کا سب اس نے یہیں چھوڑ جانا ہے۔مگر ہم مال سے دل لگاتے ہیں، نمائش آرائش سے دل لگاتے ہیں، فانی چیزوں سے دل لگاتے ہیں اور ہمیشہ باقی رہنے والے اعمال کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں۔

موت کے لیے کون تیار؟

ہمیں چاہیے کہ ہم دوسروں کے واقعات سے عبرت حاصل کریں۔کہتے ہیں کہ جو شخص دوسروں کے واقعات سے نصیحت حاصل نہیں کرتا پھر دوسرے اس کے

واقعات سے نصیحت حاصل کیا کرتے ہیں۔ آج اگر میں پوچھوں کہ جس کو شام تک زندہ رہنے کا یقین ہے وہ کھڑا ہو جائے تو مجھے امید ہے کہ کوئی بھی عورت کھڑی نہیں ہو گی۔ اور اگر پوچھیں کہ کس نے موت کی تیاری کر لی وہ کھڑا ہو جائے تو پھر بھی کوئی کھڑی نہیں ہوگی۔ تو کتنی عجیب بات ہے کہ ہمیں موت کا پتہ بھی نہیں کہ کب آ جائے گی پھر بھی ہم اس کے لیے تیاری نہیں کرتے۔ جس گھر میں آرائش نہ ہو وہ گھر بگڑ جاتا ہے، جس دل میں یادالٰہی نہ ہو وہ دل بھی بگڑ جایا کرتا ہے۔ اے انسان! تو نفس کی تمنا پوری کرنے میں مشغول ہے اور نفس تجھے ہلاک کر دینے میں مشغول ہے۔ توبہ کرنا آسان، مگر گناہ چھوڑنا بڑا مشکل کام۔

اس دنیا نے ہزاروں کو موٹا کیا اور نگل لیا۔ کتنے لوگ ہیں فقط اس لیے پل رہے ہوتے ہیں کہ کیڑوں کی غذا بنا ہوتا ہے اور وہ اس چیز کو نہیں جانتے کہ ہم جو اپنے جسم پہ گوشت چڑھا رہے ہیں، ہمارا یادِ الٰہی سے دور ہو کر جو وقت گزر رہا ہے یہ گویا ہم اپنے آپ کو کیڑوں کی غذا کے لیے تیار کر رہے ہیں۔ تو اس دنیا نے ہزاروں کو موٹا کیا اور نگل لیا اور کیڑوں نے ان جسموں کو کھا لیا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ رب العزت کی بندگی کرتے ہوئے اپنی زندگی گزاریں۔

نماز کی پابندی کی برکت:

پانچ وقت کی نماز پابندی کے ساتھ پڑھنے سے انسان کے دل کو سکون ملتا ہے، انسان کی پریشانیاں دور ہوتی ہیں۔ جو نماز کے فائدے ہیں ان میں سے ایک یہ کہ جو پابندی کے ساتھ نماز پڑھے جب اس آدمی کی موت کا وقت آتا ہے تو ملک الموت یعنی عزرائیل شیطان کو مار کر دور بھگا دیتے ہیں اور اس بندے کو بتا دیتے ہیں کہ موت کا

وقت قریب ہے، تو کلمہ پڑھ لے! اب جب فرشتہ اس کو بتا رہا ہے کہ میاں تیری روح قبض ہونے والی ہے تو کلمہ پڑھ لے تو وہ انسان کلمہ پڑھ لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو کلمہ پڑھنے کے بعد دنیا سے اٹھا لیتے ہیں۔ نماز کا یہ کتنا بڑا فائدہ ہوا! میرا خیال ہے کہ یہ اگر پوچھا جائے کہ وہ عورتیں نام لکھوا دیں جو چاہتی ہیں کہ موت سے پہلے ملک الموت ہمیں بتا دے کہ تمہارا وقت آ گیا ہے، اب تم کلمہ پڑھ لو تو جتنی بھی عورتیں بیٹھی ہیں، ساری کی ساری اپنے نام لکھوا دیں گی اور کہیں گی کہ جی ہم چاہتی ہیں کہ موت سے ہمیں بتا دیا جائے کہ وقت آ گیا ہے کلمہ پڑھ لو، ہم کلمہ پڑھ کے دنیا سے رخصت ہوں۔ تو اگر چاہتی ہیں کہ موت سے پہلے بتا دیا جائے تو اس کا طریقہ بتایا گیا کہ پانچ وقت کی نماز پابندی کے ساتھ پڑھنا شروع کر دیں۔ جو مرد یا عورت نماز کے پابند ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فرشتے موت سے پہلے ان کو بتا دیتے ہیں، شیطان کو مار کر دور بھگا دیتے ہیں۔ دو کام کرتے ہیں، ایک تو شیطان کو مار کر دور بھگا دیتے ہیں کہ یہ ذلیل اس وقت وسوسہ دل میں نہ ڈالے، یہ ذلیل اس وقت کہیں انسان کے ایمان پر ڈاکہ نہ ڈالے، اور دوسرا اس بندے کو بتا دیا کہ تیرا وقت قریب آ گیا، میں تیری روح نکالنے کے لیے آ پہنچا ہوں۔ اب تو جلدی جلدی کلمہ پڑھ لے، چنانچہ وہ آدمی کلمہ پڑھ لیتا ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے:

((مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ))

(شعب الایمان للبیہقی، رقم: ۸۸۰۰)

''جس کا آخری کلام ''لا الہ الا اللہ'' ہو وہ جنت میں داخل کیا جائے گا''

جس کی زندگی کی آخری بات ''لا الہ الا اللہ'' ہوئی وہ آدمی سیدھا جنت میں داخل

کر دیا جائے گا۔تو ہمیں پانچ وقت کی نماز پابندی سے پڑھنی چاہیے تاکہ اس کے صدقے اللہ تعالیٰ موت کے وقت ہمیں کلمہ نصیب فرمادے۔

موت اٹل ہے:

یہ دنیا کی زندگی گزر جائے گی۔اگر امیر آدمی اچھا کھا کر وقت گزار لیتا ہے تو غریب آدمی خشک روٹی کھا کر وقت گزار لیتا ہے۔زندگی گزر جاتی ہے، وقت انتظار نہیں کرتا۔اگر موت کو ٹالا جا سکتا تو دنیا کے امیر آدمی کبھی بھی مرنا پسند نہ کرتے، دنیا کے حکمران کبھی بھی مرنا پسند نہ کرتے۔اگر موت کو

......حکومت کے ذریعے ٹالا جا سکتا تو فرعون کو کبھی موت نہ آتی، شداد اور نمرود کو کبھی موت نہ آتی۔

......اگر موت کو مال کے ذریعے ٹالا جا سکتا تو قارون کو کبھی موت نہ آتی۔

......اگر موت کو حکمت اور دانائی کے ذریعے ٹالا جا سکتا تو حضرت لقمان علیہ السلام کو کبھی موت نہ آتی۔

......اگر موت کو دواؤں کے ذریعے ٹالا جا سکتا تو افلاطون اور جالینوس کو موت نہ آتی۔

......اگر موت کو قوت بازو سے ٹالا جا سکتا تو سکندر کو موت نہ آتی۔

......اور موت کو اگر حسن کے ذریعے ٹالا جا سکتا تو دنیا کے حسینوں کو موت نہ آتی۔

مگر موت ایسی حقیقت ہے جو آ کر رہتی ہے۔امیر بھی دنیا سے چلا جاتا ہے، غریب بھی چلا جاتا ہے، نیکوکار کو بھی جانا ہے، گناہگار کو بھی جانا ہے۔تو اگر دنیا سے جانا ہی ہے تو عقل مندی کا تقاضا ہے کہ ہم مرنے کی تیاری کر لیں۔

دنیا ایک لمحے کی ہے:

اس لیے فرمایا گیا:

((اَلدُّنْیَا سَاعَۃٌ فَاجْعَلْھَا طَاعَۃً)) (بریقہ محمودیہ، رقم:۴/۲۸۳)

''دنیا ایک لمحے کی ہے تم اس ایک لمحے کو نیکی میں گزار لو''

تو یہی چاہیے کہ یہ ایک لمحہ نیکی میں گزر جائے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ انسان آخرت سے غافل ہو جاتا ہے، گناہوں بھری زندگی میں لگ جاتا ہے۔ بلکہ ایک بزرگ نے کتنی عجیب بات کہی، فرمایا کہ جو بندہ اپنے دروازے بند کر کے گناہوں میں مشغول ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

''اے بندے جتنے دنیا والے تیری طرف دیکھتے تھے، ان سے چھپنے کے لیے تو نے دروازے بند کر لیے اور مجھ سے دروازہ بند نہ کیا، کیا تو دنیا والوں سے مجھے کم درجے کا سمجھتا ہے؟''

تو انسان کو چاہیے کہ دنیا میں اللہ رب العزت کی نافرمانی نہ کرے، بلکہ اس کے حکموں کے مطابق زندگی گزارے۔

ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی حکیمانہ نصیحت:

ایک شخص ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا، کہنے لگا کہ حضرت! کوئی ایسا طریقہ بتا دیں کہ میں گناہ بھی کرتا رہوں مگر آخرت میں بچ بھی جاؤں۔ وہ وقت تو تابعین کا تھا، لگتا ہے کوئی ہمارے جیسی روح اس وقت پیدا ہو گئی تھی۔ تو وہ جا کر پوچھنے لگا کہ مجھے کوئی ایسا طریقہ بتاؤ کہ میں گناہ بھی کرتا رہوں اور بچ بھی جاؤں۔ حضرت نے اس کو ڈانٹنے کے بجائے پیار سے سمجھایا۔ فرمایا کہ ہاں! میں تجھے اس کا طریقہ

بتاتا ہوں۔ وہ بڑا خوش ہوا، کہنے لگا: ٹھیک ہے، مجھے طریقہ بتایئے کہ میں گناہ بھی کرتا رہوں اور بچ بھی جاؤں۔

حضرت نے فرمایا کہ اس کا بڑا اچھا طریقہ تو یہ ہے کہ تو گناہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی نگاہوں سے چھپ کر گناہ کیا کر، جب اللہ تعالیٰ تجھے دیکھیں گے ہی نہیں تو پھر تجھ سے پوچھیں گے بھی نہیں۔ وہ کہنے لگا کہ حضرت! میں اللہ تعالیٰ سے چھپ کیسے سکتا ہوں؟ جہاں کہیں جاؤں گا وہ تو دیکھ رہا ہے، میں اس سے چھپ نہیں سکتا۔

فرمایا کہ اچھا یہ کام نہیں کر سکتے تو پھر دوسرا طریقہ بتاتا ہوں، وہ یہ کہ یہ رزق جو تم کھاتے ہو یہ سب کا سب اللہ کا دیا ہوا ہے، تم یہ رزق کھانا چھوڑ دو۔ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ پوچھیں گے: میرے بندے تو نے گناہ کیوں کیے؟ تو کہہ دینا کہ اے اللہ! نہ میں تیرا رزق کھاتا تھا نہ میں تیری بات مانتا تھا۔ تو اس نے کہا کہ حضرت! یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ میں رزق کے بغیر زندہ رہ جاؤں۔

فرمایا: اچھا تیسری بات بتاتا ہوں، وہ یہ کہ جب مرنے کا وقت آئے اور تمہارے پاس ملک الموت آئے تو تم ملک الموت سے کہنا: میاں! تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ، میں ذرا توبہ کرلوں، میں توبہ کر کے مروں گا۔ تو اس نے کہا کہ حضرت! جب ملک الموت آتا ہے تو وہ تو مہلت نہیں دیتا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَّلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ﴾ (یٰس:۵۰)

"پس نہ وہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ سکیں گے"

نہ اس وقت ان کو وصیت کرنے کا موقع دیا جاتا ہے اور نہ ان کو گھر والوں میں واپس جا کر کوئی بات کہنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ جو موت آگئی تو پھر آگئی۔ چنانچہ اس نے کہا کہ یہ تو میں نہیں کر سکتا۔

انہوں نے فرمایا: اچھا پھر ایک طریقہ اور بتاتا ہوں، وہ یہ کہ یہ زمین و آسمان اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، تمہارا جب گناہ کرنے کو دل کرے اس وقت اس سے باہر نکل جایا کرو اور وہاں جا کر گناہ کر لیا کرو۔ وہ کہنے لگا: جی! میں زمین و آسمان سے باہر کیسے نکل سکتا ہوں؟ یہ تو ممکن ہی نہیں۔ بلکہ سورۃ رحمٰن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطَانٍ﴾ (رحمٰن:۳۳)

"اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! اگر تمہارے اندر طاقت ہے کہ تم آسمان اور زمین کے کروں سے باہر نکل سکو، تم نکل کر دکھاؤ، نکلو گے تو کسی دلیل سے نکلو گے۔"

کہ ہم تو کنویں کی مچھلی کے مانند ہیں بھلا زمین اور آسمان کے درمیان سے نکل ہی کیسے سکتے ہیں؟ تو وہ کہنے لگا کہ حضرت! یہ کام تو میں نہیں کر سکتا۔

فرمایا: اچھا پھر میں تمہیں ایک طریقہ اور بتاتا ہوں۔ اس نے کہا: وہ کیا؟ کہنے لگے کہ جب قبر میں تمہارے پاس منکر نکیر آئیں تو ان کو کہنا کہ میری قبر سے باہر نکل جاؤ! ان کو سوال کا جواب دینے کے بجائے قبر سے نکال دینا، پیچھے دھکیل دینا۔ اس نے کہا: حضرت! میرے کہنے پر تو وہ قبر سے نہیں نکلیں گے۔

فرمایا: اچھا پھر تمہیں ایک طریقہ اور بتا دیتا ہوں، اس نے کہا: حضرت! وہ کیا؟ فرمایا کہ جب قیامت کے دن تیرا نامۂ اعمال پیش کیا جائے اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرمائیں گے: اس بندے کو پکڑ لو اور جہنم میں پھینک دو تو ضد کر کے کھڑے ہو جانا۔ کہہ دینا کہ میں جہنم میں نہیں جاتا۔ اس نے کہا: حضرت! میں تو یہ نہیں کر سکتا۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ جب تو ان سات کاموں میں سے ایک کام بھی نہیں کر

سکتا تو پھر کیوں اللہ کی نافرمانی کرتا ہے؟ بہتر ہے تو فرمانبرداری کر لے اور اللہ کے دوستوں میں شامل ہو جا۔ دیکھیے! کتنے پیارے طریقے سے اس کو بات سمجھائی کہ جب کچھ بھی تمہارے اختیار میں نہیں ہے تو تم اللہ تعالیٰ کو ناراض کیوں کرتے ہو؟ پھر بہتر ہے تم اس کی بندگی کرو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے دوستوں میں شامل فرمالے۔

مقصدِ زندگی اللہ کی بندگی:

تو انسان دنیا میں اللہ رب العزت کی عبادت کے لیے بھیجا گیا، فرمایا:

﴿وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ﴾ (الذاریات:۵۶)

''میں نے انسانوں اور جنوں کو اسی لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں''

تو انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے مقصدِ زندگی کو پہچانے اور جس مقصد کے لیے زندگی ملی ہے اسے اسی مقصد میں گزارے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ﴾

(المومنون:۱۱۵)

''کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں بے فائدہ پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے؟''

انسان یہ سوچے کہ اس نے ہمیشہ یہاں نہیں رہنا۔

نعمتوں کے چھن جانے کا نام موت ہے:

اور پھر اللہ تعالیٰ نے جو یہ نعمتیں دی ہیں، یہ سب عارضی نعمتیں ہیں۔ یہ جوانی عارضی، یہ مال عارضی، یہ حسن اور خوبصورتی عارضی، یہ تمام کی تمام چیزیں عارضی ہیں، بالآخر واپس لے لی جائیں گی۔ دیکھیے! موت کس چیز کا نام ہے؟ یہ بات ذرا سمجھنے کی

ہے۔موت نام ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے چھن جانے کا۔موت کے وقت انسان سے نعمتیں چھین لی جائیں گی۔اب اس کو یہ نعمتیں دوبارہ تب عطا کی جائیں گی جب ثابت کردے گا کہ میں نے ان کو بالکل ٹھیک استعمال کیا تھا۔مثال کے طور پر اگر انسان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بینائی عطا کی، یہ اس لیے عطا کی کہ میرے بندے! اس بینائی کو، اپنی نظروں کو میرے حکموں کے مطابق استعمال کرو۔اب اگر یہ انسان بینائی کو اللہ کے حکموں کے مطابق استعمال نہیں کرتا۔موت کے وقت اس کی نگاہیں ختم کر دی جائیں گی، آنکھیں بند ہو جائیں گی اور اس کی بینائی کو چھین لیا جائے گا۔اب اس کی بینائی اسے قبر میں لوٹائی جائے گی، نہ آخرت میں لوٹائی جائے گی۔اس کی قبر میں بھی اندھیرا ہوگا، وہ کچھ نہیں دیکھ سکے گا۔قیامت کے دن کھڑا ہوگا تو بھی اس کے گرد اندھیرا ہوگا اور اس کو اندھا کھڑا کیا جائے گا۔قرآن پاک میں ہے کہ وہ کہے گا:

﴿قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰی وَ قَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا﴾ (طٰهٰ:۱۲۵)

''کہے گا: مجھے کیوں اندھا کھڑا کیا؟ دنیا میں تو میں آنکھوں والا تھا''

کہا جائے گا:

﴿قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا وَ كَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰی﴾ (طٰهٰ:۱۲۶)

''ایسے ہی ہے، ہماری آیتیں تیرے پاس آئیں، تو نے ان کو بھلا دیا، آج تجھے بھی بھلا دیا جائے گا''

چنانچہ قیامت کے دن اس کی بینائی نہیں ہوگی، اس کے پاس روشنی نہیں ہوگی۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت کے دن جب ایمان والے اٹھیں گے تو جن اعضاء سے وضو کرتے تھے وہ اعضا نورانی ہوں گے (صحیح مسلم)۔چہرہ پرنور ہوگا، ہاتھ کہنیوں تک نور والے ہوں گے، پاؤں نور والے ہوں گے، ان کے سروں کے اوپر

بھی روشنی ہوگی۔ چنانچہ جب وہ پل صراط سے گزرنے کے لیے اور جنت کی طرف جانے کے لیے چلیں گے تو روشنی ان کے سروں پر ہوگی جس میں ان کو راستہ نظر آتا جائے گا، اور وہ راستہ دیکھ دیکھ کر چلتے چلے جائیں گے۔ مگر کفار اور منافقین ایسے ہوں گے کہ ان کے سروں پر روشنی نہیں ہوگی، ان کی بینائی چھن چکی ہوگی۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ﴾ (الحدید:١٢)

''تو اس دن دیکھے گا کہ مومن مرد اور عورتوں کو کہ ان کا نور ان کے آگے اور داہنی جانب دوڑتا ہوگا''

اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے یہ کہیں گے:

﴿اُنْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ﴾ (الحدید:١٣)

''ذرا ہماری طرف بھی توجہ کیجیے تا کہ ہم بھی آپ کے نور سے فائدہ اٹھالیں''

﴿قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا﴾

''کہا جائے گا واپس دنیا میں لوٹ جاؤ اور نور کو تلاش کرو''

انہیں کہا جائے گا، دنیا میں جاؤ، یہ روشنی تو دنیا سے ملنی تھی۔ یہ تو ایمان کی روشنی ہے جو ایمان والوں کے سر پر ہے۔ تم نے دنیا میں رہتے ہوئے ایمان کو قبول نہ کیا تمہارے لیے یہ روشنی نہیں ہوگی۔ چنانچہ یہ آدمی قیامت کے دن بھی اندھیرے میں ہوگا، پھر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

نعمتوں کے غلط استعمال کی سزا......جہنم:

جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے مختلف ہے۔ دنیا کی آگ تو جہاں بڑھتی جائے

وہاں روشنی بڑھتی چلی جاتی ہے، مگر جہنم کی آگ اس سے مختلف ہے۔ جہنم کی آگ جہاں جتنی زیادہ ہوگی اتنا وہاں اندھیرا زیادہ ہوگا۔ چنانچہ جب اس آدمی کو جہنم میں ڈالا جائے گا تو جہنم میں بھی یہ کچھ نہیں دیکھ سکے گا۔ کیوں؟ موت سے پہلے اس نے اپنی نگاہوں کو غلط استعمال کیا تھا، اللہ رب العزت نے اس نعمت کو چھین لیا۔ نہ قبر میں ملی، نہ حشر میں ملی۔ اسے یہ بینائی تب عطا کی جائے گی جب ثابت کردے گا کہ میں نے اس بینائی کو صحیح استعمال کیا تھا۔ اگر بینائی کو غلط استعمال کر کے چلے گئے، تو یہ نہ قبر میں ہوگی، نہ آخرت میں ہوگی، نہ جہنم میں۔

یہی حال دوسری نعمتوں کا بھی ہوگا۔ آج سوچیے تو سہی! دنیا میں کتنے ناز و نعمت کے اندر پل کر زندگی گزارتے ہیں، عورتیں ذرا سی گرمی ہو تو خوشبوئیں لگاتی ہیں کہ جی پسینے کی بو نہ آئے۔ خوشبوئیں اس لیے استعمال کرتی ہیں کہ مہک کسی کو بری محسوس نہ ہو۔ ذرا کسی جگہ سے بدبو آرہی ہو وہاں جانا گوارا نہیں کرتیں۔ اپنے گھروں میں خوشبوئیں چھڑکتی ہیں، اپنے کپڑوں میں خوشبوئیں لگاتی ہیں، اس لیے کہ بدبو برداشت نہیں ہوتی۔ مگر اے اللہ کی بندی! اگر تو نے دنیا میں نیکی نہ کی تو خوشبوئیں لگا لگا کر یہاں تو زندگی گزار لے گی، جب تو آخرت میں جائے گی تو تجھے جہنمیوں والا کپڑا پہنایا جائے گا۔ فقہا نے لکھا کہ اگر دنیا کے سارے جانور، چرند پرند، ہاتھی، گھوڑے، بیل، مچھلیاں، حتیٰ کہ سارے کے سارے جانداروں کو جس میں انسان بھی شامل ہیں ایک میدان میں جمع کر دیا جائے اور ان کو موت دے دی جائے اور ان کی لاشیں وہیں پہ گل سڑ جائیں، جتنی بدبو اس میدان میں ہوگی جہنمی کے کپڑوں میں بدبو اس سے بھی زیادہ ہوگی۔ اب سوچیں! اگر ایک کتا مر جائے تو کتنی بدبو ہوتی ہے! گلی میں سے گزرا نہیں جاتا۔ اگر گدھا مرا پڑا ہو، کتنی بدبو ہوتی ہے؟ کئی کئی گز دور تک کھڑا

نہیں ہوا جاتا، اتنا تعفن ہوتا ہے، آدمی اگر قریب سے گزر جائے، کتنے گھنٹے بیزاری رہتی ہے، اب سوچیے تو سہی! اگر ساری دنیا کے گدھے کسی جگہ مرے پڑے ہوں تو وہاں کتنا تعفن ہوگا!

اب سوچیے! کہ دنیا کے اندر خوشبوئیں لگا کر وقت گزار لیا، مگر آخرت میں جا کر اگر جہنمیوں والے کپڑے پہنا دیے گئے تو پھر کیا حشر ہوگا؟

نعمت کے صحیح استعمال کا انعام...... جنت:

وہاں اگر یہ انسان ثابت کر دے گا، اے اللہ! میں نے دنیا میں یہ اچھے کپڑے پہنے، میں نے نمازیں پڑھیں، میں نے تلاوت کی، میں نے نیکی کی، میں پردے میں رہی، اگر اس نے ثابت کر دیا کہ اس نے ان کپڑوں کو پہننے کا حق ادا کیا، تب اللہ رب العزت اس کو آخرت میں دنیا سے بھی بہتر کپڑے عطا فرمائیں گے۔ اتنے اچھے کپڑے ہوں گے کہ قرآن پاک میں آتا ہے:

﴿وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ﴾ (الحج:۲۳)

''اوران کا لباس ریشم کا ہوگا''

جنتیوں کو ریشمی لباس پہنائے جائیں گے۔ دنیا میں تو کوئی دو رنگ کا لباس پہنتا ہے، کوئی چار رنگ کا۔ زیادہ سے زیادہ کوئی دس پندرہ رنگ کا لباس پہن لے گی، بڑی سے بڑی کوئی شوقین ہو تو وہ بیس رنگوں کا کپڑا پہن لے گی۔ مگر آخرت کے لباس عجیب ہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ ایک جنتی عورت جو کپڑا پہنے گی تو اس کے کپڑوں میں سے ستر ہزار رنگ جھلکتے ہوں گے۔

اب سوچیے تو سہی! کہ اگر بینائی کو صحیح استعمال نہ کیا تو جہنم میں بھی جائے گی،

بینائی بھی نہیں ملے گی اور بدبودار کپڑے پہنائے جائیں گے۔ اور اگر نیکی پر زندگی گزاری تو جنتیوں کا لباس پہنایا جائے گا۔ دنیا میں تو عام سے کپڑے پہنے، دنیا میں تو پانچ دس رنگوں والے کپڑے پہنے مگر آخرت میں ایسی پوشاک اللہ پہنائیں گے کہ جس کی وجہ سے جنتی عورت کے کپڑوں میں سے ستر ہزار رنگوں کی جھلک آئے گی۔ اور جنتی عورت کو اللہ رب العزت اتنی خوبصورتی عطا فرمائیں گے کہ روایات میں آتا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی اپنی انگلی آسمانِ دنیا سے نیچے کر دے تو سورج کی روشنی ماند پڑ جائے، اگر وہ کھارے پانی میں تھوک ڈال دے تو کھارا پانی میٹھا ہو جائے، اگر اپنے پلو کو وہ زمین پر لٹکا دے تو مردے زندہ ہو جائیں۔ اتنی اللہ تعالیٰ نے اس کو حسن وخوبی عطا کی۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایمان والی عورت جو جنت میں پہنچے گی اسے اللہ اتنی خوبصورتی عطا کریں گے کہ جنت کی حوریں ستر سال تک اس عورت کے چہرے کو دیکھتی رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ اس کو اتنی خوبصورتی عطا فرمائیں گے کہ جنت کی حوریں ستر ستر سال تک ان کے چہروں کو دیکھتی رہیں گی۔ اور جنتی عورتیں ایسی ہوں گی کہ اللہ تعالیٰ ستر ستر ہزار حوریں اس کو نوکرانیوں کے طور پر عطا فرمائیں گے۔ اب دیکھیے کہ ایک عورت کو یہ کیسی شاہی عطا کی جائے گی۔ اب دنیا کی شاہی اچھی ہے یا آخرت کی بادشاہی اچھی ہے؟

آخرت میں محلات ہوں گے، دنیا میں کوئی انسان گھر بنا بھی لے زیادہ سے زیادہ کیا کرے گا؟ چپس کا بنوالے گا یا سنگ مرمر لگوالے گا اور کسی نے بڑی چھلانگ لگائی تو چلو شیشے کا گھر بنوالے گا، موتی کی طرح چمکتا گھر بنوالے گا، مگر پھر بھی یہ مکان دنیا کا ہے، فانی ہے۔ آخرت کا مکان ایسا ہے۔ بعض خوش نصیب عورتیں ایسی ہوں گی جن کے بارے میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جب ان کے نامۂ اعمال کو

دیکھیں گے، ان کی نیکیوں سے، ان کی پاکدامنی سے اتنے خوش ہوں گے کہ جنت میں اس کو ایک ہیرے سے بنا ہوا بے جوڑ مکان دیا جائے گا جو پوری دنیا سے بھی دس گنا زیادہ بڑا ہوگا۔ کیونکہ وہ اپنی عزت کی حفاظت کرنے والی تھیں، وہ غیرت سے زندگی گزارنے والی تھیں۔ آپ بتائیے کہ ہیرے کا بنا ہوا مکان جس کے اندر جوڑ بھی نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ اس ایمان والی اور پاکدامن عورت کو جنت میں عطا فرمائیں گے۔ تو آج دنیا کی نعمتیں عارضی ہیں، بالآخر چھین لی جائیں گی، انسان آخرت کی اہمیت کو سامنے رکھے، وہاں جب ہم پہنچیں گے تو جو نعمتیں دی جائیں گی وہ ہمیشہ کے لیے عطا کی جائیں گی۔

آج وقت ہے:

آج ہم آخرت کی تیاری کو ٹالتے رہتے ہیں، آج کرلیں گے، کل کرلیں گے، آج اور کل کرتے کرتے ہماری زندگی کا وقت گزرتا چلا جاتا ہے اور اسی طرح انسان کی موت کا وقت آجاتا ہے۔ جب موت کا وقت آجائے پھر تو اس وقت انسان کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ اس کی مثال تو ایسے ہوئی کہ بارات تو گھر پہنچ گئی اور لڑکی والے تو لڑکی کے کان سلوانے گئے ہوئے تھے۔ اس کو کون عقل مند کہے گا، اسی طرح ملک الموت تو آیا بیٹھا ہوتا ہے اور بندے نے ابھی تیاری کرنی ہوتی ہے، اپنے کاموں کو سمیٹنا ہوتا ہے۔ اس کو کون عقلمند کہے؟ اسی لیے فرمایا گیا کہ تم دنیا میں ہر وقت موت کے لیے تیار رہو، معلوم نہیں کس وقت موت آجائے۔

جو انسان نمازیں پڑھے گا، نیکی کرے گا، سچ بولے گا، غیبت سے بچے گا، دوسروں پر بہتان نہیں لگائے گا، عیب گوئی سے اور عیب جوئی سے بچے گا، اللہ رب

العزت اس کو اچھی موت عطا فرمائیں گے۔ اچھی موت آتے ہی اس کو شاہی نصیب ہو جائے گی، اس کی قبر کو جنت کا باغ بنا دیا جائے گا۔ بلکہ جب یہ اللہ کے حضور پیش ہوں گے تو اللہ تعالیٰ عرش کا سایہ عطا فرمائیں گے۔ جب جنت میں جائیں گے۔

﴿وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ﴾ (الرعد:۲۳)

ہر دروازے سے فرشتے داخل ہوں گے۔

سلوٹ ماریں گے کہیں گے:

﴿سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ﴾ (الرعد:۲۴)

تم پر سلامتی ہو، تمہیں شاباش ہو، تسی جیندے رہو، تسیں چنگی زندگی گزار کے آئے۔ گویا فرشتے ان کو مبارکیں دیں گے اور ان کو سلام کریں گے۔

نعمتوں کا صحیح استعمال، نعمتوں کے اضافے کا ذریعہ ہے:

پھر یہ لوگ جنت میں جائیں گے، اللہ رب العزت فرما دیں گے: اے میرے بندو! میں نے اب تک تمہیں جتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں، یہ ہمیشہ ہمیشہ تمہارے پاس رہیں گی اور اس کے بعد تم سے ہم ان نعمتوں کو کبھی واپس نہیں لیں گے۔ تو موت کی انسان تیاری کر لے، تاکہ اللہ رب العزت کے ہاں کامیابی ہو جائے۔ زندگی بہرحال گزر جانی ہے، انسان اگر غفلت میں بھی دن گزار لے گا تو بھلا کتنے دن غافل رہے گا، بالآخر انسان نے دنیا میں بوڑھا ہونا ہے، بالآخر مال اپنا نہیں رہتا، طاقت اپنی نہیں رہتی، انسان آج جوان ہے کل بیماریوں کا مجموعہ ہے۔

اے جوان لڑکی! ذرا بوڑھی عورت کو غور سے دیکھنا، جس کے چہرے پہ جھرّیاں پڑ جاتی ہیں، یہ تمہارے لیے عبرت ہے، تمہاری جوانی ہمیشہ ساتھ نہیں رہے گی۔ اگر تم

زندہ رہی، ایک وقت آئے گا، اسی طرح تمہاری بھی کمر جھک جائے گی۔ تم بھی ہڈیوں کا ڈھانچا بنو گی، تمہارے چہرے پہ بھی جھریاں ہوں گی، سارے بال سفید ہوں گے، بینائی ختم جائے گی، نظر آنا بند ہو جائے گا۔ پھر کھاؤ گی تو ہضم نہیں ہو گا، اٹھو گی تو چلنے پھرنے کی طاقت نہیں ہو گی، ڈھانچہ بن کر بستر پر پڑی ہو گی۔ جب انسان کا اخیر ایسا ہے تو کیوں نہ پھر وہ اپنی جوانی کے اندر نیکی کر لے، بھاگ بھاگ کے نیکی کرے۔

آج میری بہن تیرا وقت ہے، اللہ نے تجھے طاقت دی، قوت دی، تو نمازیں پڑھ لے، تہجد پڑھ لے، بھاگ بھاگ کر نیکی کر لے۔ آج تیری بینائی سلامت ہے، ایک پارہ پڑھ لے، سات پارے پڑھ لے، تیرے اختیار میں ہے۔ کل جب تیری بینائی چھین لی گئی، کبھی ایک آنکھ پر سفید موتیا کبھی دوسری آنکھ پہ کالا موتیا۔ پھر تو قرآن پڑھنا بھی چاہے گی قرآن پڑھ نہیں سکے گی۔ پھر ایک وقت آئے گا، تو ہڈیوں کا ڈھانچہ بن جائے گی، کھڑے ہو کے نماز پڑھنا چاہے گی پڑھ نہیں سکے گی، کتنی نیکیوں سے محروم ہو جائے گی۔ بجائے اس کے کہ تو ایسے وقت کو پہنچے، آج اللہ نے تجھے نعمت دی جوانی والی، صحت والی، اس وقت سے فائدے اٹھاتے ہوئے، اپنے آپ کو اللہ کی عبادت میں لگا دے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھا کر، تاکہ قیامت کے دن ان کی شفاعت نصیب ہو۔ استغفار کی تسبیح کیا کر! تاکہ گناہوں کی میل دل سے اترتی چلی جائے اور دل دھلتے چلے جائیں۔

دل آنسوؤں سے دھلتا ہے:

کتنی عجیب بات ہے، اے میری بہن! اپنے گھر کو روزانہ صاف کرتی ہے، تاکہ اچھا نظر آئے، تیرا دل بھی تو اللہ کا گھر ہے، کبھی تو اس میں بھی جھاڑو لگا دیا کر، کبھی تو

اسکی بھی صفائی کر دیا کر۔ یاد رکھ لے! تیرا دنیا کا گھر پانی سے دھلتا ہے، مگر اللہ کا گھر (دل) تیرے آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں سے دھلتا ہے۔ جب تو گناہوں کو یاد کر کے اللہ کے سامنے توبہ کرے گی، تنہائی میں بیٹھ کر روئے گی، تیرا دل دھلتا چلا جائے گا۔ یہ تیری آنکھ سے ندامت کے آنسو نکل کر تیرے دل کو دھو رہے ہیں۔ تو اپنا گھر دھو کر خوش ہوتی ہے، آج تو اپنی آنکھوں سے آنسو بہا، اپنے گناہوں پہ نادم ہو، اپنے دل کو دھولے، تاکہ اللہ کے گھر کو بھی تو صاف کر لے اور اسے اللہ کے حضور پیش کر سکے۔ اللہ کی نظر تو اپنے گھر پہ رہتی ہے۔ اللہ تیرے دنیا کے گھر کو نہیں دیکھتے، تو کچے مکان میں رہے، یا سنگ مرمر کے مکان میں رہے، اللہ کے لیے برابر ہے، اللہ تیرے دل کو دیکھتے ہیں۔ تو نے یک معمولی کپڑے میں وقت گزار لیا یا تو نے بڑے ریشمی کپڑوں میں وقت گزار لیا، اللہ رب العزت تو تیرے دل کو دیکھیں گے، اگر تیرا دل صاف ہے تو اللہ کے ہاں بڑی عزت والی، اللہ کے ہاں بڑی قدر والی، اللہ کے ہاں بڑے مرتبے والی ہے، بلکہ عورتیں اگر نیکی کرتی کرتی آگے بڑھ جاتی ہیں تو ایسا بھی وقت آتا ہے اللہ تعالیٰ ان کو بھی اپنے اولیا میں شامل فرما لیتے ہیں۔ تو آج وقت ہے ہم نیکی کر کے اللہ رب العزت کو منالیں اور اللہ رب العزت کی رضا کو حاصل کر لیں، وگرنہ یہ وقت بھی ہمارے ہاتھوں سے چلا جائے گا۔

عیب گوئی اور طعنہ زنی کا انجام:

آج اکثر دیکھا گیا عورتوں کا زیادہ تر وقت باتوں میں گزرتا ہے۔ کسی کا گلہ کر لیا، کسی کا شکوہ کر لیا، کسی پر بہتان لگا دیا، کسی کا عیب بیان کر دیا۔ قرآن پاک کی ایک چھوٹی سی سورت ہے، میں آج اس سورت کا ترجمہ اور تھوڑی سی تفصیل آپ کو سنا دیتا

ہوں تا کہ آپ کو احساس رہے کہ یہ جو ہم گلے کرتے ہیں، غیبتیں کرتے ہیں، چغل خوریاں کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو یہ کتنی ناپسندیدہ ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک میں فرمایا:

﴿وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ﴾

''خرابی ہے ہر طعنہ دینے والے، ہر عیب چننے والے کے لیے''

اس میں دو بندوں کی بات کی گئی۔ ایک عیب چننے والا، اور دوسرا طعنہ دینے والا۔ یہ ایک بیماری نہیں، یہ دو بیماریاں ہیں۔ عیب چننا ایک بیماری ہے، لوگوں کو طعنے مارنا یہ دوسری بیماری ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں دو لفظ استعمال فرمائے ﴿هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ﴾ عیب چننے والا اور طعنہ دینے والا ان کے لیے بربادی ہے۔ ایک عیب جو ہوا کرتا ہے، ایک عیب گو ہوا کرتا ہے۔ دونوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ خرابی ہے، بربادی ہے۔ ویل کا مطلب بربادی ہوتا ہے۔

عورتوں کو اکثر دیکھا گیا کہ ان کے سامنے کسی کا تذکرہ ہو، فلاں عورت کتنی اچھی ہے، کہیں گی: ہاں! مگر اس کو تو کپڑے پہننے کا سلیقہ نہیں۔ کبھی کہیں گی: مگر اس کو تو کھانا پکانے کا سلیقہ نہیں۔ کبھی کہیں گی: گھر تو اس نے عجیب سا بنا رکھا ہوتا ہے۔ کبھی کوئی بات کر ماریں گی، کبھی کوئی بات کر ماریں گی۔ آزما کر دیکھ لیں! یہ اپنے سامنے چاہے عورتوں ہی میں کیوں نہ بیٹھی ہوں کسی کی تعریف برداشت نہیں کرسکتیں۔ معلوم نہیں یہ کیوں ہضم نہیں ہوتی، ضرور کوئی نہ کوئی الٹی سیدھی بات کر ماریں گی۔ یہ عیب چننا ہوا اور اگر کسی کے خلاف کوئی بات زبان سے کر بھی دی تو یہ طعنہ دینا ہوا۔ جو بھی عورت طعنہ دے گی، بولی مارے گی، جیسے آپس میں بیٹھ کر کہتی ہیں: ''میں نے بھی اسے کھری کھری سنا دی'' یہ ساری کی ساری طعنہ دینے والی باتیں ہوتی ہیں۔ یا کہا: ''میں نے پھر اس کو جتلا دیا کہ میں یہ بھی جانتی ہوں'' یہ عیب چننے والی باتیں ہیں، دونوں کے

لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ویل ہے، بربادی ہے ان کے لیے۔

مال کی محبت کا انجام:

پھر فرمایا: جو بندہ ایسا ہو اس کو مال سے محبت ہوتی ہے۔

﴿اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالاً وَّعَدَّدَہٗ﴾

''جس نے سمیٹا مال اور گن گن کر رکھا''

اب آج کے دور میں ہم اگر مال اور پیسے کو اتنا سمیٹ کر نہیں رکھ سکتے کہ ہوتا نہیں۔ لیکن ذرا زیور کا اندازہ لگا لیجیے! کون سی عورت ہوگی جو سنبھال سنبھال کر نہیں رکھتی۔ سینوں سے لگا کے رکھتی ہیں، چھپا چھپا کے رکھتی ہیں، پہننے کا موقع بھلے سال میں ایک مرتبہ آئے، مگر رکھتی ضرور ہیں۔ زیور تو رکھ لیے، مگر زکوۃ ادا کرنے کی توفیق نہیں ہوتی، اگر زکوۃ ادا کرتی ہیں تو یہ مال پاک ہو گیا۔ اس کا بوجھ کوئی نہیں اور اگر زیور کی زکوۃ نہ دی پھر یہ مال وبال ہے۔ یہ مال قیامت کے دن اللہ رب العزت کے حضور پیش کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم فرمادیں گے وہ اس سونے کو سلاخیں بنا دیں گے ان سلاخوں کو جہنم کی آگ میں تپائیں گے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

﴿یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَ ظُھُوْرُھُمْ﴾ (توبہ: ۳۵)

''اس کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا، پھر ان کے ماتھوں کو داغا جائے گا، پھر ان کے پہلوؤں کو داغا جائے گا، پھر ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا۔''

اور کہا جائے گا:

﴿هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴾

''یہ ہے وہ مال جسے تم اپنے لیے جمع کر کے رکھتی تھی، اب چکھو مزا تم جسے دنیا میں جمع کر کے رکھتے تھے''

آج تمنائیں ہوتی ہیں، ایک انگوٹھی اور بنالیں، ایک لاکٹ اور بنالیں، فلاں چیز اور بنالیں۔ ٹھیک ہے اگر اللہ نے تمہیں مال دیا ہے تو بناؤ، مگر اس کی زکوۃ بھی ادا کرو!۔ یہ کیا ہوا کہ مال بنانے میں، سونا بنانے میں تو آدمی بڑھ چڑھ کے قدم آگے رکھے، زکوٰۃ دینے کا وقت آئے تو یاد بھی نہ ہو کہ زکوٰۃ کب دی تھی۔ پھر ایسی صورت میں یہ انگوٹھی تیرے لیے بچھو بنا دی جائے گی، یہ تیرے گلے کا ہار، تیرے گلے کا سانپ بنا دیا جائے گا، یہ تیرے ماتھے پہ ٹکہ تیرے لیے اژدھا بنا دیا جائے گا۔ پھر سوچ! جہنم میں تیرا کیا معاملہ ہوگا؟ آج تو کہتی ہے کہ زیور زیادہ ہو، کل یہ جب بچھو، سانپ بن جائیں گے، تیرے لیے جان کا وبال بن جائیں گے، پھر وہاں تیرا کیا معاملہ ہوگا؟

مال کی زکوٰۃ ادا کریں:

تو اگر اللہ تعالیٰ مال عطا کریں، یہ اللہ کی نعمت ہے، چاہیے کہ اس کی زکوۃ ادا کی جائے۔ کچھ عورتوں کو دیکھا، ان کو غلط فہمی ہوتی ہے، کہتی ہیں کہ مال ہے تو سہی مگر خاوند اس کی زکوٰۃ دیتا ہی نہیں۔ سبحان اللہ! جب زیور کا معاملہ آیا تو مالکہ تو بن کر بیٹھ گئی اور جب زکوۃ دینے کا وقت آیا تو پھر خاوند کا نام لیتی ہے۔ ہاں! خاوند اگر دے دے، یہ اس کی تیرے اوپر مہربانی ہے ورنہ جس کی ملکیت ہو اسی کو زکوۃ دینی لازمی ہے۔ اگر خاوند کی ملکیت ہے تو خاوند کو زکوٰۃ دینی پڑے گی۔ اگر اس نے بیوی کو دے دیا تو اب

بیوی کی ملکیت ہے۔شریعت کہتی ہے کہ بیوی کو اس کی زکوۃ دینی چاہیے۔اگر جیب خرچ لیتی ہے اور پیسے بچا بچا کے اپنی ضرورت کی باقی چیزیں خرید سکتی ہے تو اس کو چاہیے کہ یہ اسی طرح پیسے بچائے اور اپنی زکوٰۃ کے پیسے اکٹھے کر کے زکوۃ ادا کرے، تا کہ اس کا مال پاک ہو جائے اور کل قیامت کے دن یہ مال اس کے لیے سانپ بچھو نہ بن جائے۔تو اس کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔جس طرح انسان پر نماز فرض ہے، اسی طرح بندے کے پاس مال ہو، سونا ہو اور اتنی مقدار ہو جو شریعت نے متعین کر دی تو پھر اس کی زکوٰۃ بھی انسان کے اوپر فرض ہوتی ہے، اس کا دینا بھی ضروری ہے۔ہمیں چاہیے کہ ہم ان باتوں کا خیال کر لیں اور زکوٰۃ کے مسائل علما سے پوچھیں۔آج دنیا کی باتیں ہم پوچھنے کے لیے، کھوج کرید کرنے کے لیے کیا کچھ کرتے ہیں، اسی طرح ہمیں چاہیے کہ ہم ان مسائل کو سیکھیں۔ ہر عورت کو چاہیے کہ وہ زکوٰۃ کے مسائل کو سیکھے، وہ سجدہ سہو کے، نماز کے مسائل کو سیکھے۔کتنی عوتیں ہیں، سجدہ سہو کا پتا نہیں کیسے کرنا ہے، نمازیں نہیں پڑھتیں، پرواہ نہیں ہوتی، زکوۃ نہیں دیتیں پرواہ نہیں ہوتی، تو میری بہن یہ وقت ہمیشہ نہیں رہے گا۔آج تو اپنی مرضی کر رہی ہے، کل جب اللہ کے حضور پہنچے گی تو پھر تیرے ساتھ وہ معاملہ ہو گا جو اللہ کی مرضی ہو گی۔

سانپ اور بچھوؤں کی غاریں:

بلکہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ بعض ایسے لوگ ہوں گے دنیا میں من مانی کرنے والے، مال کو جمع کر کر کے رکھنے والے کہ ان کو قیامت کے دن جہنم کے ایسے حصے میں ڈالا جائے گا جس میں کچھ غاریں بنائی ہوئی ہیں۔ ایک غار ایسی ہے جس میں سانپ ہی سانپ ہوں گے۔ جیسے سویاں رکھ دی

جائیں اور وہ ایک دوسرے کے اوپر پڑی ہوئی ہوتی ہیں ، اسی طرح سانپ ایک دوسرے کے اوپر پڑے ہوئے ہوں گے۔ کچھ غاریں ایسی ہوں گی جن میں بچھور کھے ہوئے ہوں گے، بڑے بڑے بچھو ہوں گے ۔ وہ کتاب میں لکھتے ہیں: بعض بے نمازی گناہگار قسم کے لوگ ایسے ہوں گے اللہ تعالیٰ بچھوؤں کی غار میں اس کو دھکا دلوا دیں گے اور اس کے دروازے کو بند کر دیں گے۔ بچھو اس کے جسم پر چڑھ دوڑیں گے اس طرح اس کے جسم پر بیٹھیں گے جس طرح شہد کی مکھیاں چھتے پر بیٹھ جاتی ہیں، اتنے بچھو ایک وقت میں کاٹیں گے۔ وہ روئے گا، چلائے گا، اسے تکلیف ہو گی کوئی مدد کو نہیں آئے گا۔ غار کا دروازہ بند کر دیا گیا ہو گا۔ ایک بچھو نہیں کتنے ہی بچھو چڑھے ہوئے ہیں اور شہد کے چھتے پر جیسے مکھیاں بیٹھی ہوئی ہوتی ہیں، اس طرح بچھو جسم پر چڑھ جائیں گے اور اسے کاٹیں گے۔ پھر یہ روئے گا، اتنا روئے گا کہ بعض روایات میں آتا ہے رو رو کر یہ حال ہو گا کہ اس کی آواز یوں نکلے گی جیسے دور سے کتوں کے بھونکنے کی آواز ہوتی ہے۔ اب سوچیے ! آج اگر نمازیں نہ پڑھیں، نیکی نہ کی اور جہنم کے اس غار میں ڈال دیا گیا تو پھر وہاں کیا معاملہ ہو گا؟ آج کی کسی لڑکی سے پوچھیے ! آپ کو کوئی بھڑ کاٹ لے تو کیا حال ہوتا ہے؟ بیچاری معلوم نہیں کتنے گھنٹے تک تڑپتی رہے گی کہ بھڑ نے کاٹ لیا اور اگر بچھو کاٹ لے کتنے گھنٹے روتی رہے گی کہ بچھو نے کاٹ لیا۔ تو قیامت کے دن جہنم کے بچھو کاٹیں گے اور کاٹیں گے بھی اس طرح کہ جسم کا کوئی ایک انچ بھی نہیں بچے گا۔ جہاں ڈنگ نہ لگ رہا ہو، سوچیے ! پھر کتنی تکلیف ہو گی۔ ہمیں چاہیے کہ آج اس کا خیال کر لیں، نیکی اور نمازوں پر اپنا وقت گزار لیں، تا کہ اللہ رب العزت آخرت میں ہمیں سرخرو فرما دیں۔

دلوں کو جلانے والی آگ:

پھر فرمایا:

﴿يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗ اَخْلَدَهٗ﴾

''تو خیال کرتا ہے کہ اس کا مال صدا اس کے ساتھ رہے گا''

یہی بڑا دھوکا ہوتا ہے۔ فرمایا:

﴿ كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ﴾

''ہرگز نہیں وہ پھینکا جائے گا اس حطمۃ میں۔''

﴿وَمَا اَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُo نَارُ اللّٰهِ الْمُوقَدَةُo الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ﴾ (همزة)

''تو کیا سمجھتا ہے کہ وہ کیا ہے؟ وہ روندنے والی ہے جو جھانک لیتی ہے دل کو''

چنانچہ فرمایا گیا: جو عورت یا مرد دوسروں کی غیبت کریں گے، یا دوسرے پر طعن کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو جہنم میں ڈالیں گے۔ صرف یہی نہیں کہ جہنم میں ڈالیں گے، بلکہ جہنم میں آگ کے بنے ہوئے ستون ہوں گے، ان ستونوں سے باندھ دیا جائے گا اور پھر ایک آگ ان کی طرف ڈالی جائے گی، وہ آگ ایسی ہوگی جو انسان کے دل کو جلائے گی۔ عجیب بات ہے یہ دوسروں کے دل دنیا میں جلاتا تھا، اللہ تعالیٰ جہنم میں اس کے دل کو جلائیں گے۔ تو آج غیبت کرنا، عیب چننا آسان ہے، کل قیامت کے دن عذاب سہنا یہ بڑا مشکل کام ہے۔

عبرت حاصل کرو:

ہمیں چاہیے کہ ہم آج موت کی تیاری کرلیں، ایسا نہ ہو کہ قبر میں بے یارو

مددگار پڑے ہوئے ہوں۔ کوئی مدد کے لیے آنے والا نہ ہو۔ قبر کو عبرت کی نگاہ سے دیکھیں! ذرا غور تو کرو! کتنے حسینوں کی مٹی خراب ہو رہی ہے، بلکہ انسان اپنے عزیز و اقارب کے بارے میں سوچے کہ کس طرح چارپائی پر لے جا کر ان کو مٹی میں دبا دیا۔ کتنے اعلیٰ منصبوں اور شکلوں کے باوجود مٹی نے ان کی شکلوں کو پلٹ دیا۔ کس طرح بیوی کو بیوہ، بچوں کو یتیم اور عزیز و اقارب کو سوگوار چھوڑ کر چل دیے۔ ان کے سامان، ان کے کپڑے، ان کے مال پڑے رہ گئے۔ کس طرح محفلوں میں وہ قہقہے لگاتے تھے، آج خاموش پڑے ہیں۔ کس طرح لذتوں میں مشغول تھے، آج کیڑوں کی غذا بن گئے، کس طرح نرم بستروں پر سوتے تھے، آج مٹی میں دبے پڑے ہیں۔ کس طرح موت کو بھلا رکھا تھا، آج موت کا لقمہ بن گئے۔ کیسے دنیا کے دھندے میں مشغول تھے، آج ہاتھ الگ پڑے ہیں، پاؤں الگ پڑے ہیں، بدن میں بدبو پڑ گئی، زبان کو کیڑے چمٹ رہے ہیں، آنکھیں رخساروں پر ڈھلک گئیں۔ کیسے کھلکھلا کر ہنستے تھے، آج دانت گرے پڑے ہیں۔ کیسی تدبیریں باندھتے تھے، موت سر پر کھڑی تھی، مرنے کے دن قریب تھے، مگر وہ موت کو بھول چکے تھے۔ جب ہمیں دنیا سے جانا ہی ہے ہمیں چاہیے کہ ہم موت کی تیاری کر لیں۔ یہ نہ ہو کہ یہ وقت ہاتھ سے نکل جائے۔ اگر یہ وقت ہاتھ سے نکل گیا تو بہت بڑا نقصان ہوگا۔

آج توبہ کر لیں:

ہمیں چاہیے کہ ہم پچھلے گناہوں سے معافی مانگیں اور اللہ رب العزت کے سامنے توبہ تائب ہوتے ہوئے آئندہ زندگی نیکوکاری پر گزارنے کا ارادہ کر لیں۔ اللہ رب العزت بڑے کریم ہیں، بندہ جب سچی توبہ کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں

کو معاف فرمادیتے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں اس کے گناہوں کو اس کی نیکیوں میں تبدیل فرمادیتے ہیں۔ اللہ رب العزت ہمیں آخرت کی تیاری کی توفیق نصیب فرمادے اور اللہ رب العزت دنیا میں بھی سرخروئی عطا فرمادے، آخرت کی بھی سرخروئی عطا فرمادے اور آج تک جو گناہ ہوئے ان کو معاف فرمادے۔ یہ پہاڑوں کے برابر بڑے بڑے بوجھ جو ہم نے سر پر اٹھالیے، اللہ رب العزت ہماری توبہ کو قبول کر کے ان بوجھوں سے نجات دلادے۔ اللہ رب العزت ہمیں اپنی رضا نصیب فرمادے اور اپنے چاہنے والوں میں شمار فرمادے۔

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ﴾ (ابراہیم:۷)

نعمتوں کا شکر ادا کیجیے

بیان: محبوب العلماء والصلحاء، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم
تاریخ: 23 دسمبر 1996ء بروز پیر شعبان، ۱۴۱۷ھ
مقام: جامع مسجد تقوی جھنگ شہر

اقتباس

میرے دوستو! ہم اللہ رب العزت کے شکر گزار بندے بن کر زندگی گزاریں۔ ہم اللہ رب العزت کی نعمتوں کو دیکھیں! اس نے ہمیں کیسی کیسی نعمتیں عطا کیں اور مزے کی بات یہ کہ اس نے یہ تمام نعمتیں بن مانگے عطا کیں۔ اگر وہ مالک ہمیں آنکھیں نہ دیتا تو کیا ہم آنکھوں کا مطالبہ کر سکتے تھے؟ ہمیں وہ زبان نہ دیتا ہم زبان کا مطالبہ کر سکتے تھے؟ اگر وہ سماعت چھین لیتا ہم کوئی مطالبہ کر سکتے تھے؟ اگر وہ پاؤں میں کوئی نقص پیدا کر دیتا ہم کوئی مطالبہ کر سکتے تھے؟ اس مالک نے ہمیں بن مانگے اپنی رحمت سے یہ نعمتیں عطا کر دیں، ہم کاش! ان نعمتوں کا شکر ادا کرتے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

نعمتوں کا شکر ادا کریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o
قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا o اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا o (الکھف)
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

انسان اللہ کی تخلیق کا شاہکار:

انسان اللہ رب العزت کی تخلیق کا کرشمہ ہے۔ یہ چھوٹا سا انسان اپنے اندر ایک دنیا سموئے ہوئے ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے روزانہ لاکھوں ڈاکٹر، سائنسدان، اپنی لیبارٹری میں اپنے کمپیوٹروں کے ذریعے، اپنے تعلیمی اداروں میں، اس کی تفصیلات کو سمجھنے کے لیے دن رات ایک کر رہے ہیں۔ ابھی تک اس کی پوری تفصیلات کو نہیں سمجھ سکے۔

آنکھ، کان کی تفصیلات:

یہ آنکھ اتنی چھوٹی سی ہے، اس کی تفصیلات کو سمجھتے سمجھتے ڈاکٹروں کی زندگیاں گزر جاتی ہیں، لیکن اس کی تفصیلات مکمل نہیں ہوتی۔ یہ دانت اتنا چھوٹا سا ہے، لیکن ڈاکٹروں کی پوری زندگی اس دانت کی سائنس کو سمجھنے میں گزر جاتی ہے اور پھر بھی ان

کو پوری سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ کان کتنا چھوٹا سا ہے، وہ ساری زندگی اس پر غور کرتا رہتا ہے، پھر بھی کہتا ہے کہ اس کی تفصیلات کو پوری طرح سمجھ نہیں سکا۔

دل کی تفصیلات:

دل انسان کے جسم کا ایک چھوٹا سا عضو ہے، مگر اس کی تفصیلات کو سمجھنے کے لیے انسان کو پوری زندگی لگانی پڑتی ہے۔ ایک وقت تھا کہ ہارٹ اٹیک کو ڈاکٹر ایک بیماری سمجھتے تھے، اب جتنی تفصیلات سامنے آتی گئیں، اس کی اسپیشلائزیشن مختلف ہوتی گئی۔ اس وقت دل کے امراض کی چھ مختلف برانچیں بن چکی ہیں۔ آپ ایک دل کے ڈاکٹر کے پاس جائیں گے تو وہ کہے گا: میں ہارٹ اسپیشلسٹ تو ہوں، مگر تمہاری یہ بیماری دوسری برانچ سے تعلق رکھتی ہے، اس لیے فلاں جگہ چلے جاؤ۔

دماغ کی تفصیلات:

دماغ کتنا چھوٹا سا ہے اور اس دماغ کی تفصیلات کو سمجھنے کے لیے لاکھوں نہیں کروڑوں انسان کوشش کر رہے ہیں، مگر اس کی تفصیلات کو وہ نہیں سمجھ سکے۔ انسان کے دماغ سے اس کے جسم کے تمام اعضا میں سگنل جاتے ہیں۔ یہ بجلی کے کمزور سگنل ہوتے ہیں، یہ دماغ سے نکلتے ہیں اور جسم کے دیگر اعضا تک جاتے ہیں اور جسم کے ان اعضا کو یہ کنٹرول کرتے ہیں۔ یہ اصل میں ہمارے جسم میں وائرنگ ہوئی ہے۔ جیسے گھر کے اندر بجلی کی وائرنگ کرواتے ہیں، انسان کے جسم کے اندر اللہ رب العزت نے Nerves (رگوں) کی وائرنگ کر دی۔ یہ ایک سسٹم ہے جو کام کر رہا ہے۔ اور یہ تاریں کتنی استعمال ہوئی ہیں اور کتنی باریک استعمال ہوئی ہیں!...... اتنی باریک کہ انہیں ہم خالی آنکھ سے دیکھ نہیں سکتے۔ وہ اتنی لمبی تاریں ہیں کہ سائنس دانوں نے

یہ بات لکھی کہ ان نروز کی تاروں کو اگر نکالا جائے اور جدا کیا جائے اور ایک کے ساتھ دوسری کی گرہ باندھی جائے تو اتنی لمبی ہوں گی کہ وہ پوری دنیا کا تین مرتبہ چکر لگا سکیں گی۔ اتنی تار انسان کی وائرنگ میں اللہ تعالیٰ نے استعمال فرمائی۔ اور اس وائرنگ سے کتنے سگنل مل رہے ہیں؟ ہمارے دماغ کو پورے جسم سے پیغام ملتے ہیں۔ پورے جسم میں اللہ تعالیٰ نے چھوٹے چھوٹے آلے لگا دیے جنہیں انگلش میں ''ٹرانسپیوسر'' کہتے ہیں۔ کوئی ٹمپریچر محسوس کرنے کا آلہ، کوئی ذائقہ محسوس کرنے کا آلہ، کوئی اور مختلف چیزوں کو معلوم کرنے کے آلات۔ یہ آلات دماغ کو جسم کی مختلف خبریں دے رہے ہیں۔ انسان کے دماغ کو اپنے جسم سے ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ سگنل محسوس ہوتے ہیں۔ ایک سیکنڈ کتنا چھوٹا ہوتا ہے، اس ایک سیکنڈ میں پورے جسم سے ایک لاکھ پیغامات مل رہے ہوتے ہیں۔ اور انسان کا دماغ ان کو لے کر پورے جسم کو پیغامات کا جواب دے رہا ہوتا ہے۔ یہ ایک اتنا بڑا نظام ہے جو اللہ نے بنا دیا کہ اس کی بناوٹ کو سمجھنے کے لیے لوگوں نے اپنی زندگیاں صرف کر دیں، ابھی بھی وہ اس کی بناوٹ کو سمجھ نہیں سکے۔

انسان کے اندر اللہ کی نشانیاں:

یہ انسان اللہ رب العزت کی تخلیق کا شاہکار ہے۔ فرمایا:

﴿وَفِيْ أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ (الذاریات:۲۱)

تم اپنے اندر جھانک کر کیوں نہیں دیکھتے؟

تمہیں اپنے اندر بھی میری نشانیاں دکھائی دیں گی۔ مٹی سے بنا یہ انسان جس کی ابتدا پانی کا ایک قطرہ، اور اس سے دیکھو اللہ رب العزت نے کتنا خوبصورت انسان بنا دیا۔

تخلیقِ کائنات میں غور و فکر:

اگر ایک انسان کے اندر اللہ رب العزت کی اتنی حکمتیں ہیں، تخلیق کے اتنے عجیب و غریب کرشمے ہیں تو میرے دوستو! پوری کائنات میں اللہ رب العزت نے اپنی تخلیق کا کیا شاہکار پیدا کیا ہوگا! یہ آسمان جو بغیر کسی ستون کے کھڑا ہے:

﴿بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾ (الرعد:۲)

''تم دیکھتے ہو اسے بغیر ستون کے کھڑا ہے''

﴿اَفَلَمْ يَنْظُرُوْا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ﴾

''کیا یہ اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھتے؟''

﴿كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَ زَيَّنّٰهَا وَ مَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ﴾

''ہم نے اسے کیسے بنایا اور کیسے اسے (ستاروں سے) مزین کیا؟ نہیں ہے اس میں سے تمہارے نکلنے کا کوئی راستہ۔''

﴿وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا﴾

''زمین کو دیکھو ہم نے اسے کیسے پھیلایا؟''

﴿وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ﴾

''اور اس میں ہم نے پہاڑوں کی کیلیں گاڑیں۔''

﴿وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍۢ بَهِيْجٍ﴾

''اور پھر اس میں ہر قسم کی اچھی اچھی چیزیں اگائیں''

﴿تَبْصِرَةً وَّ ذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ﴾ (ق:۶،۷،۸)

''اس میں ہر رجوع کرنے والے کے لیے بصیرت اور نصیحت ہے''

اس میں عبرت کی باتیں اور حکمت کی باتیں ہیں، ان لوگوں کے لیے جو عبرت

حاصل کرنے والے ہیں، جو رجوع کرنے والے ہیں۔

انسان اگر ان سب چیزوں پر غور کی نظر ڈالے تو وہ حیران ہو جاتا ہے۔ اللہ رب العزت کی قدرت کو دیکھ کر انسان حیران ہو جاتا ہے۔ اللہ تیری قدرت بھی کتنی بڑی ہے!

وائرس انسان کے لیے ذریعۂ عبرت:

اور دیکھیے! یہ کتنا بڑا نظام ہے مگر ایک چھوٹا سا جراثیم جو آنکھ کے دیکھنے سے نظر بھی نہیں آتا، وہ اگر اس جسم کے اندر گھس جاتا ہے اور اس جسم پر اٹیک کرتا ہے تو اس چھوٹے سے جراثیم کی وجہ سے انسان بیمار ہو جاتا ہے۔ جی وائرس آ گیا ہے۔ بھئی! وائرس کیا ہوتا ہے؟ او جی! ایک جراثیم ہوتا ہے جو آنکھ سے نظر بھی نہیں آتا۔ آپ بتائیے! اتنا چھوٹا سا جراثیم جسے "وائرس" کہتے ہیں، جب اس کو اللہ کا حکم ہوتا ہے وہ وائرس انسان کی بیماری کا سبب بن جاتا ہے۔ تو اللہ رب العزت نے انسان کو اس کی اوقات بھی دکھا دی کہ دیکھو! تمہیں بنایا تو ہم نے ہے، ویسے تمہارا نظام اتنا اعلیٰ لیکن ہمارے حکم میں بڑی طاقت ہے۔ جب ہمارا حکم اتنے چھوٹے سے جراثیم کو ہوتا ہے وہ تمہارے جسم کے اندر جا کر اتنے بڑے نظام کو خراب کر کے رکھ دیتا ہے۔ انسان بیمار پڑا ہوتا ہے، جی! وائرس کی وجہ سے بخار ہو گیا۔ یہ اللہ رب العزت کی قدرت کے کرشمے نہیں ہیں، یہ چیزیں ہمیں بتاتی نہیں ہیں کہ ہم اللہ رب العزت کی طرف متوجہ رہیں؟

تخلیقِ انسانی کا مقصد:

دیکھیں! اللہ رب العزت نے انسان کو پیدا کرنے سے پہلے، اس کے لیے تمام

سہولیات کا بندو بست فرما دیا۔ سورج کو بنایا روشنی دینے کے لیے، چاند کو بنایا، ستاروں کو بنایا، زمین کو بنایا، درختوں کو بنایا، پانی کا نظام بنایا۔ اللہ رب العزت نے پوری کائنات کو سجایا، اس انسان کے لیے۔ اور انسان کو کیوں بنایا؟ اپنے لیے بنایا۔

کسی شاعر نے کہا:

کھیتیاں سر سبز ہیں تیری غذا کے واسطے
چاند سورج اور ستارے ہیں ضیا کے واسطے
بحر و بر شمس و قمر ما و شما کے واسطے
یہ جہاں تیرے لیے ہے تو خدا کے واسطے

یہ سارا جہاں اللہ رب العزت نے انسان کے لیے بنایا اور انسان کو اللہ رب العزت نے اپنی عبادت کے لیے بنایا کہ یہ دنیا میں میرے حکموں کی فرمانبرداری کرے۔ میرے دوستو! ہم اس کا دیا ہوا کھاتے ہیں۔

انسان کا لقمہ بننے میں مراحل:

کبھی روٹی کے لقمے پر غور کر لیا کریں کہ یہ لقمہ جو اب ہمارے منہ میں جا رہا ہے، اس لقمے کے تیار کرنے میں کہاں کہاں کیا کیا عمل ہوتا رہا ہے۔ یہ گندم کا بیج تھا، کسی انسان نے زمین میں ہل چلایا ہوگا، یہ گندم کا بیج زمین میں ڈالا ہوگا۔ پھر اس نے اس میں پانی بھی دیا ہوگا، پھر اس نے پرندوں سے اس کی حفاظت بھی کی ہوگی، پھر زمین نے اس پر عمل کیا کہ اس کی کونپل کو باہر نکالا۔ یہ بھی اللہ کا ایک خاص قانون ہے، ورنہ منوں مٹی کے نیچے دبا ہوا یہ ایک چھوٹا سا بیج ختم ہی ہو جاتا، مگر نہیں! اللہ رب العزت کی قدرت تھی، یہ چھوٹا سا بیج جس پر کئی کلو مٹی آ گئی، جو بوجھ کے اندر دبا ہوا، اس کے اندر سے کونپل نکلی، اتنی نرم کونپل کہ ایک چڑیا اسے چگ لیتی ہے مگر اللہ رب العزت نے

اس میں ایسی طاقت بنا دی، قانون ایسا بنا دیا کہ وہ نرم سی کونپل اوپر کی کئی کلو مٹی کو پھاڑتی ہوئی بالآخر زمین میں سے باہر نکلتی ہے۔اے انسان! تیرے لیے اللہ نے کیسے کیسے کارنامے دکھائے! وہ کتنی نازک سی کونپل ہے اس کو بچہ اگر چاہے تو توڑ لے چڑیا اگر چاہے تو اچک لے، مگر وہ معمولی سی نرم سی کونپل اللہ کے حکم سے اوپر کو بڑھ رہی ہے، مٹی کے نیچے دبی ہوئی اس کے اوپر تہہ جمی ہوئی ہے، مگر وہ اس کو پھاڑتی ہوئی بالآخر باہر آتی ہے تو اللہ رب العزت کی طرف سے سورج کو حکم ہوتا ہے، وہ اسے دھوپ کی گرمی پہنچا رہا ہے، پھر چاند کو حکم ہوتا ہے، وہ اسے اپنی روشنی اور چاندنی پہنچا رہا ہے۔ پھر ہوا کو حکم ہوتا ہے وہ اسے اپنی خوراک پہنچا رہی ہوتی ہے، کہیں بادل پانی پہنچا رہے ہیں۔اس کونپل پر پھر پھول لگتے ہیں پھر اس پر پھل لگتے ہیں۔ کبھی سورج آیا، اس کی گرمی نے اس کے جمال کو بڑھایا، کبھی اس کے ذائقے کو بہتر کر دیا، کبھی اس کی جسامت کو بڑا کر دیا، تو یہ پھل لگا، یہ سبزی لگی۔ دیکھنے میں کتنی خوبصورت، اس میں رنگ اچھے، اس میں ذائقہ اچھا، انسان کے لیے ان کو تیار کر دیا۔ یہ پھل تیار ہو رہے ہیں۔ پہلے یہ ایک دانہ تھا جب اوپر بڑھا، اب اس میں اتنی چیزیں استعمال ہوئیں حتی کہ اس کونپل میں سے پھر کئی کونپلیں پھوٹتی ہیں۔

﴿كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ﴾ (البقرة:۲۶۱)

دانا تو ایک ڈالا تھا، اس میں سے سات شاخیں پھوٹیں اور اس پر سات سٹے لگے اور ہر ایک میں سو سو دانے بنے۔ میرے بندے! جب تو نے ایک دانہ اللہ کے توکل پر زمین میں ڈالا، میں نے اس کے سات سو دانے بنا کر تیرے پاس واپس لوٹا دیئے۔ میرے بندے! تو مجھ پر یقین رکھتا ہے، میرے رزاق ہونے پر اعتماد کرتا ہے، دیکھ! میں ایک دانے کو سات سو دانے بنا کر واپس دے دیتا ہوں۔ اللہ اکبر!

اب دیکھیے! جب سات سو دانے ملے تو یہ دانے تو سیدھے منہ میں نہیں پہنچتے۔ پہلے ان کو صاف کیا گیا، پھر پیسا گیا، پھر گوندھا گیا، پھر ان کی روٹی بنائی گئی جو یہ انسان کھاتا ہے۔

انسان کی ناشکری:

یہ روٹی اتنے مراحل میں سے گزر کر انسان کے ہاتھ میں آتی ہے، اور انسان اس روٹی کو کھا کر اپنے پروردگار کو یاد بھی نہیں کرتا، بلکہ جب روٹی کھا کر اپنے پیٹ کو بھر لیتا ہے تو کہتا ہے: ٹھیک تھا مگر نمک تھوڑا سا کم تھا۔ ہماری نظر اللہ کی ان نعمتوں تک نہ پہنچی کہ یہ کتنے مراحل سے گزر کر آ رہا ہے، ہاں! اس کے پکانے میں نمک کچھ کم رہ گیا، فوراً کہتے ہیں کہ روٹی تو ٹھیک تھی، مگر نمک ٹھیک نہیں تھا۔ بلکہ کبھی نمک بھی ٹھیک ہوتا ہے بیوی کو کہتے ہیں کہ کھانا تو ٹھیک تھا، مگر مجھے ٹھنڈا ملا ہے، روٹی ٹھنڈی تھی۔ میرے دوستو! انسان اپنے مالک کی ایسے ناقدری کرتا ہے۔ ہمیں چاہیے تھا ہم اس کا دیا ہوا کھاتے ہیں، تو ہم اس کے گیت گاتے کہ اے اللہ! تیرا کتنا کرم! تو نے میرے کھانے کے لیے غذا بنائی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَا اَكْفَرَهٗ﴾ (عبس:۱۷)

''مارا جائے انسان تو میرا کفر کرتا ہے، ناشکری کرتا ہے۔''

﴿مِنْ اَىِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ﴾ (عبس:۱۸)

''سوچ! کس چیز سے تجھے پیدا کیا؟''

﴿مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ﴾ (عبس:۱۹)

''ایک نطفے سے پیدا کیا پھر ایک اندازہ مقرر کیا''

﴿ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ۝ كَلَّا

لَمَّا يَقْضِ مَآ أَمَرَهٗ﴾ (عبس:۲۰۔۲۱)

پھر اس کے لیے راستہ آسان کر دیا، پھر اس کو مردہ کیا اور دفن کیا۔ پھر جب چاہے گا اسے اٹھا کر کھڑا کرے گا، لیکن کچھ شک نہیں کہ اس نے حکم پر عمل نہیں کیا۔

﴿فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلٰى طَعَامِهٖ﴾ (عبس:۲۴)

''پس چاہیے کہ انسان اپنے کھانے کو دیکھے''

اللہ رب العزت نے انسان کو اپنی قدرت کے کرشمے دکھا دیے، اس انسان کے لیے، اس کی غذا کا بندوبست فرما دیا۔ اور پھر دیکھیے! یہ انسان اپنے پروردگار کی کتنی نعمتیں کھا رہا ہے، مگر یہ اپنے پروردگار کا اتنا فرمانبردار بندہ نہیں بن رہا، جتنا اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں۔

کتے کی شکرگزاری:

اس کے مقابلے میں آپ ایک کتے کو دیکھیے! ایک کتا اپنے مالک سے کیا لیتا ہے؟ کبھی مالک نے کھانا کھایا تو ہڈی پھینک دی، کبھی خشک روٹی کا ٹکڑا ڈال دیا۔ نہ اس کو مرغن غذا ملتی ہے، نہ اس کو پھل ملتے ہیں، نہ اس کو میوے ملتے ہیں، نہ اس کو سونے کے لیے لحاف اور کمبل ملتے ہیں، نہ اسے فوم کے گدے ملتے ہیں۔ اسے انسان مالک ہونے کے ناطے کیا دیتا ہے؟ بچی ہوئی روٹی کا ٹکڑا ڈال دیا یا اسے گوشت کی ہڈی پھینک دی۔ اب جو ہڈی ڈال دی، جو روٹی کا ٹکڑا ڈال دیا، وہ بے زبان جانور ہے، مگر پھر بھی اپنے مالک کا اتنا وفادار ہے کہ وہ اس ہڈی اور روٹی کے ٹکڑے کی بھی لاج رکھ لیتا ہے اور وفا کر کے دکھا دیتا ہے۔ ایک کتا اپنے مالک کا کتنا وفادار ہوتا ہے، یہ مالک رات کو آرام سے اپنے گھر سو جاتا ہے مگر اس کا کتا نہیں سوتا۔ وہ اپنے مالک

کے گھر کا طواف کر رہا ہوتا ہے، اس کے گرد چکر لگا رہا ہوتا ہے۔ اور مالک کے گھر کے پہرے دے رہا ہوتا ہے۔ اور پھر دیکھیے! مالک اگر کبھی رات کو جاگے تو دن میں گھر میں کرفیو لگایا ہوتا ہے۔ بیوی کو کہتا ہے: خبردار! جو بچوں کو اونچا بولنے دیا اور خبردار! جو ادھر کوئی شور ہوا، میں رات کی ڈیوٹی کر کے آیا ہوں اور اب مجھے سونا ہے، مجھے کوئی ڈسٹرب نہ کرے کرفیو لگا ہوا ہے، مگر کتا جو ساری رات جاگتا رہا وہ صبح جا کر کسی کو یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میں رات کی شفٹ بھگتا کر آیا ہوں۔ اب میرے سونے کا بندوبست کر دو، اس کے لیے کوئی بستر نہیں ہے۔ اس کے لیے کوئی فوم کا گدا نہیں ہاں! کسی درخت کے تنے کے نیچے درخت کے سائے میں وہ پڑ کر سو جائے گا۔ اللہ کی زمین اس کا بستر بن جاتی ہے۔ سردی میں اس کے لحاف کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔ گرمی ہو تو پنکھے کا کوئی بندوبست نہیں، وہ اسی طرح جا کر کسی نہ کسی درخت کے نیچے سو جاتا ہے۔

ہم کھانا کھائیں تو کتنی کتنی نعمتیں دستر خوان پر موجود ہوتی ہیں۔ یہ روسٹ بنا ہے یہ بروسٹ بنا ہے، یہ مچھلی کے کباب بنے ہیں، یہ فلاں چیز کا جوس ہے، یہ ہم نے آپ کے لیے فلاں چیز کا سوپ بنایا ہے اور یہ فلاں فلاں آئس کریم لا کر رکھ دی ہے۔ انسان کے لیے کتنی نعمتیں، مگر اس جانور کے لیے کوئی چیز نہیں، وہ ایک روٹی کا ٹکڑا اور ہڈی بچی ہوئی۔ اس پر وہ اپنے مالک کا اتنا وفادار ہوتا ہے کہ ساری ساری رات جاگ کر اس کے گھر کا پہرہ دیتا ہے۔ ہمیں کوئی جھڑک دے تو ہم اس کا برا مان کر کیسے منہ بنا لیتے ہیں، اس سے بولنا چھوڑ دیتے ہیں۔ بیٹا اپنے باپ سے یوں نفرت کرنے لگ جاتا ہے، جیسے کوئی پاپ سے نفرت کرتا ہے۔ تو بیٹے کو باپ کا تربیت کرنا یہ بھی پسند نہیں ہے، کہتا ہے: مجھے روکا کیوں گیا؟ مجھے ٹوکا کیوں گیا؟ بولنا چھوڑ دیتا ہے، سامنے آنا چھوڑ دیتا ہے۔ اور کتے کو دیکھو! مالک نے اسے جوتا مارا، ڈنڈے مارے، ایک دو

نہیں، پانچ دس نہیں، پتہ نہیں کتنے مارے، بیچارہ چلا جاتا ہے اور پھر کوئی اسے منانے جاتا ہے۔نہیں! تھوڑی دیر کے بعد بے چارہ اسی طرح اپنے مالک کے پاس واپس آ جاتا ہے۔اللہ نے اس میں وفا رکھی ہے، کسی عارف نے کہا:

راتیں جاگیں تے شیخ سڈاویں راتیں جاگن کتے تیتھوں اتے
رکھا سکھا ٹکڑا کھا کے دنیں جا رکھاں وچ ستے تیں تیتھوں اتے
توں ناشکرا اتے پلنگاں تے اوہ شاکر روڑیاں اتے تیتھوں اتے
در مالک دا مول نہ چھوڑن بھانویں مارے سو سو جتے تیتھوں اتے
اٹھ بلھیا! توں یار منا لے نئیں تے بازی لے گئے کتے تیتھوں اتے

گھوڑے کی اپنے مالک سے وفاداری:

میرے دوستو! کتے کو چھوڑیے! ایک گھوڑے کی مثال لے لیجیے! گھوڑا اپنے مالک کا کتنا وفادار ہوتا ہے! اس کا مالک اسے پالتا ہے کہ میں نے اس سے کام لینا ہے، تانگے میں جوتنا ہے۔اب یہ گھوڑا اپنے مالک کا وفادار ہوتا ہے۔گرمی کا موسم، سارا دن وہ محنت کرتا ہے، حتی کہ اس کی زین کا جو پٹہ ہے وہ کمر پر لگنے سے اس جگہ پر زخم ہو جائے تو وہ رات کو اپنے مالک سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ جناب اس پر مرہم لگا دیجیے! مجھے اس میں درد ہو رہی ہے۔نہیں! مالک نے دیکھ لیا تو ٹھیک، نہیں دیکھا تو آرام سے سو جائے گا اور اگلے دن پھر اس پر زین رکھ دے گا۔اب پرانا زخم پھر تازہ ہو رہا ہے اور وہ بے زبان جاندار اپنے مالک کو درخواست بھی نہیں دے سکتا۔یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ میرے مالک! میرے پرانے زخم کو تازہ تو نہ کریں! مالک اسے ہنٹر لگا رہا ہے، چابک لگا رہا ہے کہ جلدی اسٹیشن پر سواریوں کو پہنچاؤ! اور یہ بے زبان اپنے مالک سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ جناب! میں اپنے زخم کا کیا کروں؟ یہ تمہارے چمڑے کا

جو پٹہ ہے، یہ بار بار میرے زخم کو تازہ کر رہا ہے۔ اس پر مکھیاں بیٹھ رہی ہیں، وہ اوپر پٹی نہیں کر سکتا، اسی طرح بھاگ رہا ہے۔ حتی کہ اگر اس کے پاؤں میں کسی وجہ سے تکلیف ہے تو وہ اپنے مالک کو بتا نہیں سکتا کہ جناب! آپ تو چابک مارتے چلے جا رہے ہیں، مجھ سے پوچھا کہ میرے پاؤں میں فلاں وجہ سے تکلیف ہے؟ وہ اپنے مالک کو یہ بھی نہیں بتا سکتا۔

حتی کہ جب رات کو گھر آیا تو اس کے مالک نے گھر والوں سے پوچھا کہ گھاس موجود ہے؟ تو بیوی نے کہا کہ گھاس والے نے کہا تھا کہ آج کسی وجہ سے گھاس پورا نہیں مل سکا، تو مالک نے کہا کہ چلو جتنا موجود ہے اتنا ہی آگے ڈال دو! خود تو مالک نے جا کر تسلی سے روٹی کھائی اور گھوڑے کو جتنا گھاس موجود تھا وہی ڈال دیا، چنانچہ گھوڑا وہی بچا کھچا کھا کر لیٹ گیا۔

اپنے مالک کی نعمتوں کو تو دیکھو کہ اس نے کتنی ہمارے اوپر مہربانیاں کیں! حتی کہ وہی گھوڑا کہیں جا کر کھڑا ہو جاتا ہے، اسے پیاس لگی ہوئی ہے، اور مالک اسے پانی پلانا بھول گیا، تو اب وہ مالک دیکھتا ہے کہ گھوڑے نے قریب جو گندی نالی تھی اس میں منہ ڈال کر پانی پینا شروع کر دیا، پیاسا جو تھا۔ اب مالک کو خیال آتا ہے کہ اوہو! میں اسے پانی پلانا تو بھول ہی گیا، پھر وہ کسی سے بالٹی مانگ کر اس میں پانی بھر کر اس کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ وہ بے چارہ بھوکا، پیاسا، اپنے مالک سے پینے کا پانی بھی نہیں مانگ سکتا۔ اب سوچیے! یہ مالک اپنے گھوڑے کے ساتھ رعایت نہیں کرتا اور گھوڑا اپنے مالک کے ساتھ کیا کیا وفاداریاں کرتا ہے۔ ہم بیمار ہوں تو ہم دفتر فون کر دیتے ہیں، دفتر پیغام بھیج دیتے ہیں کہ جناب! طبیعت ناساز ہے، ہم دفتر نہیں آ سکتے۔ یہ گھوڑا اگر کسی دن بیمار ہو تو اپنے مالک سے بیماری کی چھٹی نہیں لے سکتا، اس کو ہر صورت اپنے مالک کی تابعداری کرنی ہے۔

حتی کہ ایک گھوڑے کو اس کے مالک نے پالا کہ میں اس کی پیٹھ پر بیٹھ کر دشمن کے ساتھ جہاد کروں گا، تو وہ گھوڑا اپنے مالک کی کیسی وفاداری کرتا ہے! جب مالک نے اسے جہاد کے لیے نکالا، اس پر سوار ہوا اور تلوار لی، نیزہ لیا اور کمان لی۔ گھوڑا پہچانتا ہے کہ اب میرا مالک میری پیٹھ پر سوار ہو کر دشمن سے لڑنے کے لیے جا رہا ہے، گھوڑا بھاگ رہا ہوتا ہے۔ وہ اب تک جو کھاتا رہا جو پیتا رہا آج اس کا حساب چکانے کا وقت آ گیا۔ چنانچہ اپنے مجاہد کو لے کر جب وہ دشمن کی فوج کے سامنے کھڑا ہوتا ہے گھوڑے کو دشمن فوج نظر آ رہی ہوتی ہے۔ دشمن کے گھوڑے بھی نظر آ رہے ہوتے ہیں، اسے پتہ ہے کہ آج میری جان کو بھی خطرہ ہے، لیکن وہ وفادار جانور ہے، اس نے وفا کرنی ہے، آج اسے اپنی جان کی پرواہ نہیں۔ اس کو تو اپنے مالک کی رضا مطلوب ہے، اس نے تو اپنے مالک کو خوش کر کے دکھانا ہے۔

چنانچہ جب مالک اسے اپنے پیروں کی ایڑی سے اشارہ کرتا ہے کہ بھاگو اور دشمن پر حملہ کرو! تو وہ بھاگتا ہے، سامنے سے دشمن تیروں کی بارش برسا رہا ہے، گھوڑے کے جسم پر کوئی دائیں طرف تیر چبھتا ہے کوئی بائیں طرف تیر چبھتا ہے، اس کے جسم سے خون کے قطرے گر رہے ہیں، لیکن وہ اپنے جسم کی پروا نہیں کرتا، اسے پروا نہیں ہوتی کہ دور سے پھینکا گیا نیزہ اس کے جسم سے پار ہو جائے گا، اسے تلواروں کی پروا نہیں ہوتی، توپ ہو، تفنگ ہو اس کے جسم کے ٹکڑے کر دو، پھر بھی گھوڑا بھاگتا چلا جائے گا۔ وہ دشمن کی صفوں کو چیر کر رکھ دے گا۔ کس لیے کہ اس کے مالک نے اسے کھلایا ہی اسی لیے تھا۔

ہماری بے وفائی:

اگر ایک جانور اپنے مالک کا اتنا وفادار ہے تو میرے دوستو! ہمیں اپنے

پروردگار سے کتنی وفا کرنے کی ضرورت ہے؟ ہم تو اتنی نعمتیں کھا کر بھی اپنے رب کے سامنے دو سجدے کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ مسجد سے آواز آ رہی ہوتی ہے، ہمارے اندر اتنی بھی وفا نہیں ہوتی کہ ہم اپنے گھر سے چل کر مسجد میں جائیں اور پانچ وقت نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لیں۔ سوچنے کی ضرورت ہے۔ یاد رکھیے! شیطان ایک سجدہ نہ کرنے پر مردود بنا دیا گیا تھا اور بے نمازی تو دن کے کتنے سجدوں کا انکار کر رہا ہوتا ہے۔ اس لیے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ بے نمازی کو مسلمانوں کے قبرستان میں بھی دفن نہیں کرنا چاہیے۔ اور آج سالوں سے نمازیں قضا ہو رہی ہوتی ہیں اور ہمیں پرواہی نہیں ہوتی۔ بیٹھ کر محفل میں کہتے ہیں کہ جی! میں جمعہ تو پڑھ لیتا ہوں اور روٹی تو میں روزانہ کھاتا ہوں۔ اور روٹی میں اگر نمک کم ہو یا روٹی گرم نہ ہو تو اس کا بھی نقص نکالتے ہیں۔ اور نماز پڑھنے کے لیے فرصت نہیں!!

نعمتوں کا شکر ادا کریں:

میرے دوستو! ہم اللہ رب العزت کے شکر گزار بندے بن کر زندگی گزاریں۔ ہم اللہ رب العزت کی نعمتوں کو دیکھیں! اس نے ہمیں کیسی کیسی نعمتیں عطا کیں اور مزے کی بات یہ کہ اس نے یہ تمام نعمتیں بن مانگے عطا کیں۔ اگر وہ مالک ہمیں آنکھیں نہ دیتا تو کیا ہم آنکھوں کا مطالبہ کر سکتے تھے؟ ہمیں وہ زبان نہ دیتا ہم زبان کا مطالبہ کر سکتے تھے؟ اگر وہ ساعت چھین لیتا ہم کوئی مطالبہ کر سکتے تھے؟ اگر وہ پاؤں میں کوئی نقص پیدا کر دیتا ہم کوئی مطالبہ کر سکتے تھے؟ اس مالک نے ہمیں بن مانگے اپنی رحمت سے یہ نعمتیں عطا کر دیں، ہم کاش! ان نعمتوں کا شکر ادا کرتے۔

شکر کیسے ادا ہو؟

اور اب ان نعمتوں کا شکر کیا ہے؟ جس مالک نے یہ نعمتیں ہمیں دیں ہم اس کا شکر ادا کریں، جس کا کھایئے اس کے گیت گایئے، جس مالک کا دیا کھاتے ہیں جس کی نعمتوں کو استعمال کرتے ہیں، میرے دوستو! ہم اس کے شکر گزار بنیں۔

مجھے یاد ہے ایک دفعہ ہم لاہور میں جمعہ پڑھا کر واپس آ رہے تھے۔ صبح صبح کا وقت تھا، ہم راستے میں ایک جگہ رکے، پٹرول بھروانا تھا یا کوئی اور بات تھی۔ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، میں جو اس طرف متوجہ ہوا۔ ایک بچی سخت سردی میں پھٹے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے، اپنا کاسہ آگے کر رہی ہے کہ خدا کے واسطے مجھے کچھ دے دو۔ یقین کیجیے! اس وقت میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میرا خیال اس طرف گیا کہ آخر یہ بھی تو کسی باپ کی بیٹی ہوگی، یہ کسی بھائی کی تو بہن ہوگی، یہ کسی کی تو ناموس ہے، یہ کسی کی تو عزت ہے، جو در بدر کی ٹھوکریں کھاتی پھر رہی ہے، جو غیروں کے سامنے اپنا دامن پھیلاتی ہے اور ان سے بھیک مانگتی ہے۔ اللہ! تیرا کتنا کرم کہ تو نے ہمارے گھر کی عورتوں کو، ہماری ناموس کو، ہماری عزتوں کو، اپنے گھر میں بیٹھ کر عزت سے کھانا کھانے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ اللہ کا کتنا بڑا کرم ہوتا ہے! ہم ان نعمتوں کا کیسے شکر ادا کریں؟ تو ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے پروردگار کی ان نعمتوں کا شکر ادا کریں۔

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ﴾ (ابراہیم: ۷)

اگر تم میری نعمتوں کا شکر ادا کرو گے میں اپنی نعمتیں اور زیادہ تمہیں عطا کروں گا۔

ناشکری کا عبرتناک انجام:

اور اگر انسان ناشکری کرتا ہے تو پھر اللہ رب العزت کو جلال آیا کرتا ہے۔

کتابوں میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ ایک آدمی تھا اور اس کی بڑی تجارت تھی۔ اپنے رہنے کے لیے اس نے بڑا محل بنایا اور بڑی خوبصورت لڑکی سے اس نے شادی کی۔ ایک دن بیٹھا اپنی بیوی کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ لڑکی کی عادت تھی کہ وہ کسی سائل کو خالی نہیں بھیجتی تھی۔ چنانچہ جب دستک ہوئی تو وہ لڑکی اٹھی اور روٹی لی کہ میں اس فقیر کو دے کر آتی ہوں، وہ روٹی دینے گئی، لیکن اس کو اس کا چند منٹ کا یہ اٹھنا بھی ناگوار گزرا۔ چنانچہ کہنے لگا: ایسے ہی یہ مانگنے آجاتے ہیں، یہ فلاں ہوتے ہیں اور فلاں ہوتے ہیں۔ انہوں نے تو کاروبار بنایا ہوا ہے، تم نے میرا کھانا خراب کر دیا، ایسی ہی دو چار سنا دیں۔ بیچاری نے خاموشی سے بات سن لی۔

کچھ دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ کی پکڑ آئی، کیونکہ اس نے تکبر کے بول بولے تھے۔ پکڑ کیسے آئی؟ اب اس کو کاروبار میں نقصان ہونے لگ گیا۔ آہستہ آہستہ جو کمایا ہوا پیسہ تھا وہ جانے لگ گیا۔ حتی کہ اس کا کاروبار اتنے نقصان میں چلا گیا کہ اس کو اپنا گھر بھی بیچنا پڑ گیا۔ حتی کہ کچھ عرصہ بعد اس کی یہ حالت ہوگئی کہ اس کے پاس اتنا بھی کچھ نہ بچتا کہ وہ بیوی کو کچھ لا کر کھلاتا۔ چنانچہ اس نے بیوی کو کہہ دیا کہ تو میری طرف سے آزاد ہے، تجھے میری طرف سے طلاق ہے۔ بیوی کو بھی فارغ کر دیا۔

اب بیوی نیک تھی، خوبصورت تھی، خوش اخلاق تھی، اب وہ اپنے ماں باپ کے گھر چلی گئی۔ کچھ عرصہ وہاں گزرا ہوگا کہ اس کے لیے ایک اور تاجر کے نکاح کا پیغام آیا کہ میں آپ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، چنانچہ ماں باپ نے دیکھا کہ اچھا رشتہ ہے، انہوں نے اس لڑکی کا رشتہ اس تاجر کے ساتھ کر دیا۔ اس کے گھر چلی گئی، اس کا گھر بھی بہت بڑا تھا، بہت اچھا تھا، اسی طرح تھا جس طرح پہلے گھر میں رہتی تھی۔ اللہ نے اچھے گھر میں پھر اسے پہنچا دیا، یہ اپنے خاوند کے ساتھ پھر اچھی زندگی گزارنے

لگ گئی۔ ہنسی خوشی کی زندگی دونوں کی گزر رہی تھی، قدرت کا معاملہ دیکھیے! ایک دن یہ اپنے خاوند کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی کہ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ اس کی چونکہ عادت تھی کہ یہ سائل کو خالی ہاتھ نہیں بھیجتی تھی چنانچہ اس نے روٹی اٹھائی اور سائل کی طرف لے کر چلی۔ اس خاوند کی طرف سے اجازت تھی کہ جب کوئی سائل مانگے جتنا تو چاہے تجھے دینے کی اجازت ہے۔ چنانچہ یہ دروازے پر گئی، جب یہ سائل کو روٹی دینے لگی تو اس نے چیخ ماری، نیچے گری اور رونے لگی۔ خاوند بھاگا ہوا وہاں آیا دیکھا کہ بیوی نیچے بیٹھی زاروقطار رو رہی ہے۔ پوچھا کیا بنا؟ کہنے لگی: میں جب اس سائل کو روٹی دینے لگی اور چہرے پر نظر پڑی تو میں نے دیکھا کہ یہ تو وہی مرد ہے جو پہلے میرا خاوند تھا۔ اللہ نے اس کو اتنا دیا تھا، اس کا گھر تھا، کاروبار تھا، مکان تھا میں اس کی بیوی تھی، آج یہ میرے مکان پر سائل بن کر آیا۔ اس کے خاوند نے کہا کہ یاد کرو! جب اس نے کسی سائل کو جھڑکا تھا، تمہارے دروازے پر کون آیا تھا؟ کہنے لگا: میں ہی وہ سائل تھا، آج اللہ نے مجھے تجارت عطا کردی، اور تجھے میری بیوی بنا دیا۔ اس سے مکان چھین لیا۔

انسان جب تکبر کرتا ہے اور اللہ رب العزت کو بھول جاتا ہے تو اللہ رب العزت اپنی نعمتوں کو واپس لے لیا کرتے ہیں۔ تو ہم اللہ رب العزت کی نعمتوں کا شکر ادا کیا کریں کہ اس نے ہم پر کتنا کرم کیا! اس لیے تو اللہ والے کہتے ہیں کہ گھر میں عورت جب سالن بنانے لگے تو ایک دو گھونٹ پانی زیادہ ڈال دے، اس نیت سے کہ اگر کوئی سائل آیا تو اسے کھانا دے دوں گی، اگر پڑوسی بھوکا ہوا اسے بھجوا دوں گی، کوئی مہمان آیا اس کے لیے یہ کھانا کام آئے گا۔ کوئی آئے یا نہ آئے وہ دو تین گھونٹ جو اس نے زیادہ ڈال دیے اللہ اس پر اس کے مہمان کو کھانا کھلانے کا اجر عطا فرما دیں گے۔ وہ

مالک اتنا کریم ہے، وہ اتنی نعمتیں عطا فرماتے ہیں!!

سوچ کا مثبت انداز:

تو میرے دوستو! ہم اللہ رب العزت کی نعمتوں کا شکر ادا کریں۔ جتنا کچھ اس نے دیا ہم تو اس کے مستحق نہیں تھے، ہم تو ان کے حق دار نہیں تھے۔ یہ سوچنے کا انداز ہوتا ہے۔

دیکھیے! حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ تشریف لے جا رہے تھے، نہائے کپڑے پہنے، ایک گھر کے نیچے سے جو گزرنے لگے تو ایک عورت نے راکھ نیچے پھینکی تو وہ ان کے سر پر اور کپڑوں پر آ کر گری۔ ایک آدمی نے دیکھا تو وہ کہنے لگا کہ یہ تو بڑے غصے ہوں گے۔ یہ نہا دھو کر، نئے کپڑے پہن کر جمعے کی نماز کے لیے آئے تھے مگر راستے میں یہ معاملہ ہو گیا، لیکن حضرت ایک طرف ہٹ کر اللہ کا شکر ادا کرنے لگ گئے۔ اللہ! تیرا شکر...... اللہ! تیرا کرم ہے...... اللہ! تیری رحمت ہے...... اللہ! تیری مہربانی ہے...... اور شکر کے آنسوؤں سے رونے لگ گئے۔ اس نے کہا: حضرت! یہ کیا ہوا؟ آپ کے سر پر راکھ پڑی اور آپ الٹا اللہ کا شکر ادا کر رہے ہیں؟ ہاں بھئی! میں اپنے عملوں کو دیکھتا ہوں تو میں اس قابل تھا کہ اللہ میرے اوپر آگ کے انگارے برسا دیتے، مگر اس نے میرے سر پر راکھ ڈالی، میں یہ بھی اللہ کا احسان سمجھتا ہوں کہ اس نے میرے اوپر اب بھی کرم کر دیا ورنہ میں اس قابل تھا کہ میرے سر پر آگ کے انگارے برسائے جاتے۔ میں اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔

تو میرے دوستو! ہم اللہ رب العزت کی نعمتوں کو دیکھا کریں اور ان کا شکر ادا کیا کریں۔ پھر دیکھیے! اللہ رب العزت کی کتنی رحمت آتی ہے اور ہر چیز کو مثبت انداز سے سوچا کریں۔ منفی انداز سے نہیں مثبت انداز سے سوچا کریں۔ اللہ رب العزت نے

اتنا کچھ دیا ہوتا ہے، مگر ہم کسی اور کو دیکھ کر کہتے ہیں: جی! گزارا ہی ہے۔ نہیں! مثبت انداز میں سوچیں! کتنے لوگ ایسے ہیں جن کے بچے گھروں میں بھوکے سو رہے ہوتے ہیں، جن کے بچوں کے مہینوں کے مہینے گزر رہے ہوتے ہیں اور ان کا ایک ہی لباس ہوتا ہے۔ اور وہ روز اسی کو دھو کر پہن رہے ہوتے ہیں، میلا ہو جاتا ہے تو بھی وہی لباس، دھو کر پہنتے ہیں تو بھی وہی لباس، ان کے بھی تو بچے ہوتے ہیں جو پل رہے ہوتے ہیں۔ اور اگر ہمارے بچوں نے اگر تین وقت کا کھانا کھایا تو ہم اللہ رب العزت کی نعمتوں کا کتنا شکر ادا کریں۔

مثبت سوچ کی برکت:

سوچ کی بات ہوتی ہے، اچھے انداز میں سوچیں مثبت انداز میں سوچیں پھر ہماری زندگی اچھی گزرے گی۔ بلکہ ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے۔ ایک مرتبہ جمعے سے پہلے انہوں نے اپنے سر کے بال مونڈ وائے تھے، حلق کروایا تھا۔ نماز کے لیے وہ آرہے تھے، اتنے میں چند نوجوانوں کی جماعت وہاں سے گزری۔ وہ جماعت پروگرام بنا کر آئی تھی کہ ہم ایک بڑی کشتی کرائے پر لیں گے اور وہاں بیٹھ کر ہم کھانا کھائیں گے، خوش گپیاں لگائیں گے اور تھوڑی دیر انجوائے کریں گے۔ اب جو انہوں نے دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی ہے اور سر بالکل صاف ہے، تو ان کو شرارت سوجھی۔ کہنے لگے کہ اس کو ساتھ لے جاتے ہیں، وہاں ذرا مذاق رہے گا۔ چنانچہ انہوں نے ہاتھ پکڑا اور حضرت کو ساتھ گھسیٹ لیا۔ اب حضرت بھی ساتھ ساتھ چلے گئے۔ وہاں جا کر انہوں نے کشتی میں ایک طرف بٹھا دیا اور آپس میں خوش گپیوں میں مصروف ہو گئے۔ ان میں سے ایک نوجوان کو کوئی شرارت سوجھی، اس نے کوئی بات کی اور آ کر حضرت کے سر پر ایک دھپ لگا دی، ایک دھول لگا دی اور باقی سارے

ہنسنے لگ گئے۔اب کوئی اور بات کرتا تو دوسرا جا کر تھپڑ لگا دیتا اور باقی ہنسنے لگ جاتے۔ اب وہ سب باری باری آ کر تھپڑ لگاتے اور باقی سارے ہنستے اور قہقہے لگاتے۔اللہ کے یہ ولی خاموشی سے بیٹھے ہیں اور تھپڑ کھا رہے ہیں۔وہ ذلیل کر رہے ہیں اور آپ عاجز بن کر بیٹھے ہوئے ہیں کہ اللہ! تو جس حال میں رکھے میں تجھ سے راضی ہوں۔اللہ رب العزت کو اپنے بندے کا صبر پسند آ گیا، اوپر سے الہام ہوا، اے میرے پیارے! انہوں نے تیرے ساتھ اتنی بدتمیزی کی، اور تیرا اتنا صبر ہے، اتنا حوصلہ ہے کہ تو پھر بھی صبر سے بیٹھا ہے! مجھے تیرا صبر پسند آیا، اب تو اگر دعا کرے گا تو میں ان کشتی والوں کو الٹ دوں گا، تا کہ انہیں غرق کر دیا جائے۔جیسے ہی یہ الہام ہوا تو ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے اور دعا مانگنے لگے: اے اللہ! اگر تو الٹنا ہی چاہتا ہے تو میں یہ دعا کرتا ہوں کہ ان سب لوگوں کے دلوں کو الٹ دے، تا کہ تیرے یہ نیک بندے بن جائیں۔اے اللہ! اگر تو کشتی کو الٹ سکتا ہے تو تُو دلوں کے الٹنے پر بھی قادر ہے، تا کہ تیرے یہ نیک بندے بن جائیں۔ایک نیک ولی کی مانگی ہوئی دعا، ایسی قبول ہوئی کہ اللہ رب العزت نے سب کو توبہ کی توفیق دی اور جتنے لوگ تھے یہ سارے کے سارے بڑے ہو کر اولیا میں شامل ہوئے۔

تو ہم اچھے انداز سے سوچا کریں، اللہ رب العزت کی نعمتوں کو دیکھا کریں۔ اللہ رب العزت ہمیں نیک اعمال کی توفیق نصیب فرما دے، اور ایک فرمانبردار اور نیک بندہ بن کر زندگی گزارنے کی توفیق نصیب فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مکتبۃ الفقیر کی منفرد انداز میں چھپی ہوئی ایک اور نئی کتاب

مدارج السلوک

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہم

جیسے علوم ظاہری کے حصول کے لیے اللہ رب العزت نے علمائے امت پر اس ترتیب کو کھولا جس کے ذریعے سے ان علوم کو حاصل کیا جا سکتا ہے، اسی طرح باطن کی محمود کیفیات حاصل کرنے کے لیے بھی جو اقدام اٹھانا ضروری ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے مشائخ کرام پر کھولا کہ کیسے:

- .... ہمارے دلوں سے دنیا کی محبت نکل جائے اور اللہ تعالیٰ کی شدید محبت ہمارے دلوں میں پیدا ہو۔
- .... کیسے گناہوں سے ہماری جان چھوٹے اور تقویٰ طہارت کی زندگی ہمیں نصیب ہو۔
- .... کیسے ہمارے دل ریاء و نفاق سے پاک ہو کر اخلاص سے بھر جائیں۔
- .... کیسے حرص، حسد، کینہ، بخل، بدگمانی، تکبر، عُجب اور غصے جیسی مہلک بیماریوں سے ہمارے دل شفایاب ہوں اور سخاوت، ایثار، خیر خواہی، عاجزی، تحمل مزاجی، عفو و درگزر کی صفات ہم میں پیدا ہوں۔
- .... کیسے ہمارے اندر سنتوں کا شوق پیدا ہو، عبادات کی لذت نصیب ہو، اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو۔

یہ سب نعمتیں حاصل ہوں گی تو انسان جنت میں جائے گا، ورنہ تو دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا تو جنت سے محرومی کا باعث بن جائے گا۔ ان تمام مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے مشائخ کرام نے ذکر و فکر کے اسباق کو ترتیب وار مرتب کیا۔

مکتبۃ الفقیر

223 سنت پورہ فیصل آباد

مکتبۃ الفقیر کی کتب ملنے کے مراکز

معہد الفقیر الا اسلامی ٹوبہ روڈ، بائی پاس جھنگ 0315-2402102
مکتبۃ الفقیر بالمقابل رنگون ہال، بہادرآباد کراچی 0345-2331357 (اعجاز)
دار المطالعہ، نزد پرانی ٹینکی، حاصل پور 0300-7853059
مکتبہ سید احمد شہید لاہور اردو بازار 042-37228272
ادارہ اسلامیات، 190 انارکلی لاہور 042-37353255
مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور 042-37224228
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان 061-544965
مکتبہ دار الاخلاص قصہ خوانی بازار پشاور 091-2567539
دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی 021-2213768
علمی کتاب گھر اوجا روڈ، ازدو مازار، کراچی 021-32634097
حضرت مولانا گل رئیس صاحب، حضرت قاری سلیمان صاحب (مدظلہم) دار الہدی بنوں
حضرت مولانا قاسم منصور صاحب ٹیپو مارکیٹ، مسجد اسامہ بن زید، اسلام آباد 0332-5426392
جامعۃ الصالحات، محبوب سٹریٹ، ڈھوک مستقیم روڈ، پیرودھائی موڑ پشاور روڈ، راولپنڈی 051-5462347
ادارہ تالیفات اشرفیہ فوارہ چوک ملتان 061-4540513 0322-6180738
مکتبہ سید احمد شہید جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک 0923-630964

ناشر

223 سنت پورہ فیصل آباد
041-2618003,0300-9652292